بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تذکرہ

حضرت مولانا ابوعمار زاہد الراشدی

سانحہ ارتحال اور تعزیتی نشستیں
حضرت ندویؒ سے میرا تعلق
خدمات اور افکار و نظریات
رفقائے کار اور معتقدین
اداروں کی سرپرستی و سربراہی

— ناشر —

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

عنوان : مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کا تذکرہ
تالیف : مولانا ابو عمار زاہد الراشدی
مرتب : ناصر الدین خان عامر
مجموعہ : اگست ۲۰۲۴ء
ناشر :
اشاعت :

# فہرست

☆ پیش لفظ.....9
☆ عرضِ ناشر/تقریظ.....10

## سانحۂ ارتحال اور تعزیتی و تعارفی نشستیں

☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا سانحۂ ارتحال.....13
- مسلم پرسنل لاء بورڈ کا آخری خطبۂ صدارت.....13
- خاندانی اور علمی و روحانی نسبتیں.....13
- نظریاتی و علمی فتنوں کا تعاقب.....14
- حضرت ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت منظور احمد نعمانیؒ کی پہلی زیارت.....14

☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں.....16
- ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک اور جمعیت علماء اسلام جھنگ کی تعزیتی نشستیں.....16
- حضرت ندویؒ کی مجمع البحار شخصیت.....17
- عرب دنیا میں علمی مقام.....17
- مسلمانانِ ہند کی ترجمانی.....18

☆ سید ابوالحسن علی ندویؒ اکیڈمی کی تقریب میں شرکت.....20
- مسلمانانِ ہند کی رہنمائی میں ندوہ کا کردار.....20
- مغرب کی دانش اور حضرت ندویؒ کے افکار.....21

☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں الشریعہ اکادمی کی نشست.....22
- سید احمد حسین زید کا شکوہ.....22

- پروفیسر غلام رسول عدیم کی گفتگو.....23
- پروفیسر حافظ منیر احمد کا شکوہ.....24
- راقم الحروف کی گفتگو.....25


## حضرت ندویؒ سے میرا تعلق


☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے میرا تعارف.....27
- حضرت ندویؒ کے ساتھ طوافِ بیت اللہ.....27
- حضرت ندویؒ کے تصنیفی کام سے تعارف.....27
- ندوۃ العلماء لکھنؤ کی سربراہی.....28
- حضرت ندویؒ سے تلمذ وارادت کا شرف.....29

☆ میری اسنادِ حدیث.....31
- میرے تلمذ واجازت کے شیوخ.....31
- حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ.....33
- شیخ محمد یاسین فادانیؒ.....33
- میری بخاری شریف کی تعلیمی سند.....34
- حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ.....36

☆ میرا بیعت کا تعلق.....37
- حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ سے بیعت.....37
- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت.....37
- حضرت والد محترمؒ کی ہدایت.....37
- نقشبندی سلسلہ کی خلافت.....38

☆ میرے پسندیدہ مصنفین.....39

# خدمات اور افکار و نظریات


☆ بندے ماترم کا ترانہ اور بھارتی مسلمان.....42

☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمات.....45

- بھارتی پارلیمنٹ میں یکساں سول کوڈ کا بل.....45
- خاندانی قوانین اور بندے ماترم کا معاملہ.....46
- نیشنلزم حضرت ندویؒ کی نظر میں.....46

☆ پیش لفظ ''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا فہمِ قرآن''.....48

- نسلِ انسانی کی ہدایت، قرآن کریم کا اساسی موضوع.....48
- حضرت ندویؒ کی ادبی و علمی مہارت.....49
- جہاتِ فکرِ ندویؒ اور آج کے تقاضے.....50

☆ ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' کے چند گوشے.....52

- فتنوں کی نشاندہی کا ذوق.....52
- الشیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ اور ہمارے آج کے مسائل.....53
- مختلف طبقات سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خطاب.....55
- ''صوفی اسلام'' کا مغالطہ.....59
- اکبر بادشاہ کا ''دینِ الٰہی''.....60
- مُلا اور آمریت کی کشمکش.....64
- ''تاریخ دعوت و عزیمت'' اور ''مکاتیب سیّد احمد شہیدؒ'': جہادِ بالاکوٹ.....64
- فتنوں سے آگاہی کی محنت.....69
- ٹیکسوں کا بوجھ اور اسلامی روایت.....70

☆ فکری اِرتداد اور ''ردۃ ولا ابا بکر لہا''.....71

- فکری ارتداد کسے کہتے ہیں؟.....71
- "ردۃ ولا ابا بکر لہا".....71
- اسلامی احکام وقوانین کے خلاف عالمی مہم.....72
- نئی نسل کے فکری ارتداد کا سبب.....73
- مغرب کی فکری وثقافتی یلغار.....73
- رجال کار کی تیاری کی ضرورت.....74

☆ مدینہ منورہ کی حرمت وتوقیر کا تقاضہ.....75

☆ حضرت احمد علی لاہوریؒ اور حضرت ابوالحسن علی ندویؒ.....76

☆ علامہ محمد اقبالؒ اور حضرت ندویؒ کے تحفظات.....77

☆ مغربی فکر وفلسفہ کے بڑے ناقد.....78

☆ مغربی فکر وفلسفہ کی یلغار اور ادب وصحافت.....79

☆ ترکی میں سیکولرازم کے غلبہ کے اسباب.....80

☆ ان مسائل پر غور کون کرے؟.....82

☆ دینی مدارس کیلئے حکومتی امداد کا معاملہ.....83

☆ چٹائیوں اور تپائیوں پر دین کی محنت اور آج کے تقاضے.....85

☆ اسلام کا اجتماعی نظام اور اکابر کی تصنیفات.....87


## رفقائے کار اور معتقدین


☆ حضرت مولانا سید مظفر حسین ندویؒ.....89

☆ حضرت مولانا سید رابع حسنی ندویؒ.....90

☆ مولانا سید سلمان حسینی ندوی.....91

- مولانا سید سلمان ندوی سے پہلی ملاقات.....91
- حضرت سید ابوالحسن علی ندوی کے نواسے اور دستِ راست.....92

- علی گڑھ، دیوبند اور ندوہ کا تاریخی کردار.....92
- ندوۃ العلماء لکھنؤ کی موجودہ سرگرمیاں.....93
- حضرت مولانا سلمان صاحب کا خصوصی ذوق.....94
- ڈھاکہ میں ''سید ابوالحسن علی ندویؒ ایجوکیشن سنٹر''.....94
- جامعہ سید احمد شہیدؒ لکھنؤ کا بین الاقوامی سیمینار.....96
- مولانا سید سلمان ندوی کی پاکستان آمد.....96
- تین معاصر اہلِ علم بہ اسم ''سلمان ندوی''.....97

☆ مولانا محمد عیسٰی منصوری.....99
- الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام سیمینار.....99
- سید ابوالحسن علی ندوی اکادمی کی افتتاحی تقریب.....99
- جمعیت علماء اسلام شیخوپورہ کی فکری نشست.....101
- مولانا منصوری کا تعارف اور سرگرمیاں.....101
- مسلمانانِ ہند کے مسائل اور حضرت ندوی کا خطبۂ صدارت.....102
- مولانا منصوری حضرت ندوی کی خدمت میں.....103

☆ مولانا محمد اکرم ندوی.....105
- پہلی ملاقات.....105
- امت کی خواتینِ علم وفضل.....106

☆ ڈاکٹر فرحان احمد نظامی.....108

☆ جناب جعفر بھٹی.....111

☆ مولانا محمد سلمان.....112

☆ مولانا محمد سلطان ذوق.....114

## اداروں کی سرپرستی و سربراہی

☆ ندوۃ العلماء لکھنؤ.....116
☆ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ.....117
☆ رابطہ عالمی ادب اسلامی.....119
☆ آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز.....124
☆ جامعہ الہدیٰ برطانیہ.....129
☆ ورلڈ اسلامک فورم.....130

# پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرّہ العزیز کے ساتھ میرا نیاز مندی اور استفادے کا تعلق طالب علمی کے دور سے ہی چلا آ رہا ہے۔ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں عمِ مکرم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ترجمان ''تعمیرِ حیات'' پابندی سے آتا تھا جس کا مطالعہ میں بھی کیا کرتا تھا، پھر ان کی تصانیف تک رسائی ہوئی تو استفادے کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، حتیٰ کہ ان سے ملاقاتوں اور تلمُّذ و ارادت کا سلسلہ قائم ہوا تو مختلف مواقع پر ان کی شفقتیں اور دعائیں سمیٹنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اس دوران حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے اخبارات و جرائد میں تاثرات، احساسات اور افادات قلمبند کرنے کا بھی موقع ملتا رہا جن کا ایک منتخب مجموعہ فرزند عزیز حافظ ناصر الدین خان عامر نے بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ زیر نظر کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے اور وہ بھی اس خیر و سعادت میں شریک ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کے لیے سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائیں، آمین یا رب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی
خطیب مرکزی جامع مسجد، گوجرانوالہ، پاکستان
۲۱ مئی ۲۰۲۴ء

# عرضِ ناشر/تقریظ

# سانحۂ ارتحال
# اور تعزیتی و تعارفی نشستیں

# حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا سانحۂ ارتحال

۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو برطانیہ کے شہر برنلے میں مولانا عزیز الحق ہزاروی کے ہاں تھا کہ جامعہ الہدیٰ نوٹنگھم کے پرنسپل مولانا رضاء الحق سیاکھوی نے ٹیلی فون پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کی روح فرسا خبر دیتے ہوئے بتایا کہ حضرت مولانا ندویؒ آج صبح رائے بریلی (انڈیا) میں اپنا دنیا کا سفر مکمل کر کے خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

## مسلم پرسنل لاء بورڈ کا آخری خطبۂ صدارت

حضرت مولانا ایک عرصہ سے علیل تھے مگر ضعف و علالت کے باوجود اپنے مشن کے حوالہ سے ان کی سرگرمیاں مسلسل جاری رہیں۔ الشریعہ کے گزشتہ شمارہ میں قارئین نے بمبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سالانہ اجلاس میں حضرت مولاناؒ کا خطبۂ صدارت ملاحظہ کیا ہے جو وہ علالت کی وجہ سے خود وہاں تشریف لے جا کر نہیں پڑھ سکے تھے اور ان کی طرف سے مولانا عبد اللہ عباس ندوی نے شرکائے کانفرنس کو سنایا تھا۔ اس خطبۂ صدارت میں حضرت مولاناؒ نے پرسنل لاء کے مسئلہ پر مسلمانانِ ہند کی جس جرأت اور حوصلہ کے ساتھ ترجمانی کی ہے وہ اکابر علمائے حق اور اربابِ عزیمت کی روایات کی آئینہ دار ہے۔

## خاندانی اور علمی و روحانی نسبتیں

حضرت ندویؒ کا تعلق امیر المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے تھا، ان کی ولادت ۱۹۱۴ء میں ہوئی اور اس طرح انہوں نے عیسوی سن کے لحاظ سے پچاسی برس کی عمر پائی۔ انہوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ماحول میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے اور اپنے استاذ محترم علامہ سید سلیمان ندویؒ کے جانشین کے طور پر ندوہ کی سربراہی کے منصب پر فائز ہوئے۔ انہوں نے ندوہ کے اکابر مولانا سید علی مونگیریؒ، علامہ شبلیؒ نعمانی، مولانا عبد الحئ حسنیؒ، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی علمی

روایات اور ملی خدمات کے پرچم کو نہ صرف بلند سے بلند تر کیا، بلکہ ان کے دور میں ندوہ کے تعارف و خدمات کا دائرہ پورے عالمِ اسلام بالخصوص عالمِ عرب تک پھیلتا چلا گیا۔ اردو اُن کے گھر کی زبان تھی جبکہ عربی میں انہیں بے تکلف گفتگو اور تحریر کا ملکہ حاصل تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فصاحت و سلاست کے جس کمال سے نوازا تھا اس نے خود عرب دانشوروں اور اربابِ علم میں انہیں نمایاں اور ممتاز مقام دے دیا تھا۔

حضرت مولانا علی میاںؒ خاندانی اعتبار سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، تعلیم و تربیت اور تگ و تاز میں انہوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ورثہ کو سنبھالا جبکہ روحانی طور پر انہیں حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، اور حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ جیسے عظیم اکابر سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ اس طرح وہ مختلف عظیم الشان نسبتوں کا مجمع البحار بن گئے تھے۔

## نظریاتی و علمی فتنوں کا تعاقب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مغربی ثقافت اور اس کے پیدا کردہ نظریاتی و علمی فتنوں کے تعاقب کو اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا تھا۔ وہ بلاشبہ اس دور میں اسلامی تہذیب و ثقافت اور تاریخ و روایات کے بے باک نقیب تھے۔ انہوں نے اس حوالہ سے دنیائے اسلام کے اربابِ فکر و دانش کے ایک بڑے حصے کو ادراک و شعور کی منزل سے ہمکنار کیا اور مغرب کے سیکولر فلسفہ اور فری سوسائٹی کے تار و پود بکھیر کر ذہنی مرعوبیت کی فضا کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

## حضرت ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت منظور احمد نعمانیؒ کی پہلی زیارت

راقم الحروف کو ایک عرصہ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے نیاز حاصل تھے۔ ۱۹۸۴ء میں مکہ مکرمہ میں حضرت ندویؒ اور حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ کی پہلی بار زیارت ہوئی اور اس کے بعد آکسفورڈ اور لاہور میں حضرت ندویؒ سے کئی بار ملاقات و استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ ایک دو بار کوشش کی کہ ان سے ان کی اسناد کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی جائے مگر موقع نہ ملا۔ چند ماہ قبل حضرتؒ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا کہ میرا بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبید اللہ انور

قدس اللہ سرہ العزیز سے تھا، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلفاء میں سے آپ کے ساتھ طبیعت زیادہ مانوس ہے، اس لیے بیعت کے تعلق اور روایتِ حدیث کی اجازت کی درخواست کر رہا ہوں۔ اس کے جواب میں ابھی دو ماہ قبل ان کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں دونوں گزارشات کی قبولیت کی اطلاع تھی۔

اس کے بعد میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ رمضان المبارک کے بعد کسی بہانے انڈیا جانے کا پروگرام بنا کر استاذ اور شیخ کی حیثیت سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زیارت و ملاقات کا شرف ایک بار پھر حاصل کیا جائے مگر تقدیر کا فیصلہ غالب آگیا اور حضرت مرحوم میرے جیسے ہزاروں عقیدت مندوں کی امیدوں کو حسرتوں میں تبدیل کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک کے حضور پیش ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی حسنات قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر کریں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور اہلِ خاندان، تلامذہ، منتسبین، احباب اور عقیدت مندوں کو صبر و حوصلہ کے ساتھ ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ جنوری ۲۰۰۰ء)

# حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں

نفسانفسی کا دور ہے اور زندگی کی دوڑ نے ہمیں اس قدر مصروف کر دیا ہے کہ جانے والے بزرگوں کو چند لمحے یاد کرنے کے لیے بھی اب ہمارے پاس وقت نہیں رہا۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات پر ہمارے ہاں مجموعی طور پر جس بے حسی کا مظاہرہ ہوا ہے اس پر افسوس کا اظہار ہی کیا جاسکتا ہے کہ بات اِکا دُکا تعزیتی بیانات اور اخبارات و جرائد میں شائع ہونے والے چند مضامین سے آگے نہیں بڑھ سکی، اور ہم اپنی نسل کو یہ نہیں بتا پائے کہ عالمِ اسلام کتنی بڑی علمی، دینی اور روحانی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔

## ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک اور جمعیت علماء اسلام جھنگ کی تعزیتی نشستیں

اس فضا میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ترجمان ماہنامہ الحق نے مولانا ندویؒ کی یاد میں ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کر کے کچھ اشک شوئی کی ہے، اور جمعیت علماء اسلام جھنگ نے دو تعزیتی نشستوں کا انعقاد کر کے مولانا علی میاںؒ کی خدمات پر انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی روایت نبھائی ہے جس پر وہ بلاشبہ تحسین کے مستحق ہیں۔ یہ دونوں نشستیں گزشتہ جمعرات کو ہوئیں۔

- ایک نشست کا اہتمام مولانا حکیم محمد یاسین نے ظہر کے بعد مدرسہ تعلیم القرآن اشرفیہ مومن پارہ جھنگ صدر میں کیا، جس کی صدارت بزرگ عالمِ دین مولانا مفتی ولی اللہ نے کی، اور اس سے راقم الحروف کے علاوہ مولانا اقبال خان شیروانی، مولانا الیاس بالاکوٹی اور قاری عبدالشکور نے بھی خطاب کیا۔
- جبکہ دوسری نشست جامع مسجد تقویٰ میں مولانا حافظ بشیر احمد نے منعقد کی، جس میں راقم الحروف کو کچھ گزارشات پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ ان محافل میں جو معروضات سامعین کے گوش گزار کیں ان میں سے کچھ باتیں قارئین کی خدمت میں بھی پیش کی جا رہی ہیں۔

## حضرت ندویؒ کی مجمع البحار شخصیت

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں جمع ہونے کی غرض جہاں ان کی دینی و ملی خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کرنا اور ان کی مغفرت و بلندیٔ درجات کی دعا کرنا ہے، وہاں اس حاضری کا مقصد ان کے ساتھ اپنی نسبت کا اظہار اور ان کی شخصیت اور کارناموں سے ان لوگوں کو آگاہ کرنا بھی ہے جو ان سے واقف نہیں ہیں، کیونکہ اپنے بزرگوں اور ماضی کے ساتھ تعلق قائم کر کے ہی ہم اپنے فکر و عمل کا رخ صحیح رکھ سکتے ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آج کے دور میں مختلف علمی اور روحانی نسبتوں کا سنگم اور مجمع البحار تھے۔ ان کا خاندانی تعلق امیر المؤمنین سید احمد شہیدؒ سے ہے، انہوں نے تعلیم و تربیت اور پھر تدریس اور فکر سازی کے مراحل ندوۃ العلماء لکھنؤ میں طے کیے، جو برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں ایک عظیم علمی تحریک کا نام ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کو سنبھالنے اور ان کے ملی تشخص کی بقاو تحفظ کے لیے جن بڑے اداروں نے تحریک کے طور پر کام کیا ان میں علی گڑھ اور دیوبند کے ساتھ تیسرا بڑا نام ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ہے۔ جبکہ روحانی طور پر انہیں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اور حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ جیسے عظیم مشائخ سے نسبت و اجازت حاصل ہونے کے ساتھ اپنے عظیم خاندانی سلسلہ تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کی مسند نشینی کا شرف بھی حاصل ہے۔

## عرب دنیا میں علمی مقام

اس کے بعد جو بات مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو ان کے معاصرین سے ممتاز کرتی ہے وہ عرب علماء اور تحریکات کے ساتھ ان کا تعلق ہے، جس کا آغاز تحریکِ استفادہ کے تعلق سے ہوا لیکن رفتہ رفتہ اس نے افادہ اور راہنمائی کی صورت اختیار کر لی۔ اور ایک وقت آیا کہ عرب علماء اور دانشور عربی زبان پر مولانا ندویؒ کی گرفت اور ان کی فصاحت و سلاست کا حظ اٹھاتے تھے اور علم و فکر میں ان سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اور انہی کے دور میں ندوۃ نے برصغیر کے دائرہ سے نکل کر پورے عالمِ اسلام کے لیے ایک رہنما ادارے کی حیثیت حاصل کر لی۔

## مسلمانانِ ہند کی ترجمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ صرف فکر و نظر اور تقریر و تحریر کے میدان کے آدمی نہیں تھے، بلکہ انہوں نے عملی زندگی میں بھی علماء ہند کی قیادت کی، اور خاص طور پر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سربراہ کے طور پر انہوں نے جس جرأت و حوصلہ کے ساتھ مسلمانانِ ہند کی ترجمانی کی وہ ہم سب کے لیے قابلِ رشک ہے۔ اپنی وفات سے صرف دو ماہ قبل ممبئی میں آل انڈیا کل جماعتی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سالانہ اجلاس میں ان کی طرف سے جو خطبۂ صدارت پیش ہوا، اس میں

- انہوں نے واضح طور پر اعلان کیا کہ بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کو نکاح، طلاق اور وراثت میں اپنے مذہبی قوانین سے دستبردار ہونے اور مشترکہ خاندانی قوانین (کامن سول کوڈ) قبول کرنے کی جو دعوت دی جارہی ہے اسے ہم ارتداد کی دعوت سمجھتے ہیں، اور اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جس طرح ارتداد کی دعوت کا مقابلہ ہم ماضی میں کرتے رہے ہیں۔
- اسی طرح بھارت کے سب سے بڑے صوبے یوپی (اترپردیش) کے سرکاری سکولوں میں بی جے پی کی حکومت نے روزانہ تعلیم کے آغاز پر ''بندے ماترم'' کا ترانہ گانے کو لازمی قرار دیا تو مسلمان بچوں نے اس میں شرکیہ اشعار شامل ہونے کی وجہ سے اسے گانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے پورے عزم و استقلال کے ساتھ حکومت پر یہ بات واضح کر دی کہ ہم مسلمان موت قبول کر لیں گے لیکن ہمارے بچے سکولوں میں یہ شرکیہ ترانہ نہیں گائیں گے۔ جس کے بعد حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینا پڑا۔

اسی طرح کارگل کے مسئلے پر علامہ علی میاںؒ نے بھرپور انداز میں بھارتی مسلمانوں کو مجاہدین کی حمایت کرنے کیلئے واضح موقف دیا، جس کے بعد وہاں کی ہٹ دھرم حکومت نے مولانا مرحوم کے گھر پر چھاپہ بھی مارا۔ الغرض بھارت میں ہندوؤں کی اکثریت اور ان کے جارحانہ عزائم و اقدامات کے باوجود مسلمانوں کے مذہبی خاندانی قوانین، اور مسلمان بچوں کے عقائد کے تحفظ کے لیے مولانا ندویؒ نے جو عزیمت کا کردار ادا کیا، وہ خاندان سید احمد شہیدؒ کے اسی عظیم چشم و چراغ کا حصہ تھا، اور ان کے بعد اب اس حوالہ سے پورے بھارت میں ان کا کوئی جانشین دکھائی نہیں دیتا۔

اس لیے ہمیں ان کی خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حالات اور کارناموں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے اور ان سے راہنمائی حاصل کرنی چاہیے کیونکہ بزرگوں کی یاد کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے۔

(ہفت روزہ الہلال، اسلام آباد)

# سید ابوالحسن علی ندویؒ اکیڈمی کی تقریب میں شرکت

۱۵ جنوری کو دو اہم تقریبات میں شرکت کا موقع ملا۔ اسلام آباد میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ہال میں سید ابوالحسن علی ندویؒ اکیڈمی کے زیر اہتمام مضمون نویسی کے ایک بین الاقوامی مقابلہ کی تکمیل پر انعامات کی تقسیم کے لیے سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب ڈاکٹر قبلہ ایاز نے کی اور اس سے دیگر ممتاز اصحابِ فکر و دانش کے علاوہ معروف اسکالر جناب احمد جاوید نے بھی خطاب کیا۔

اس موقع پر چند گزارشات راقم الحروف نے بھی پیش کیں جن میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی دینی و علمی راہنمائی میں جو نمایاں اور امتیازی خدمات سرانجام دی ہیں انہیں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، اور نئی نسل کو ان سے متعارف اور مانوس کرانے کے لیے اس نوعیت کی سرگرمیاں بہت مفید ہیں۔

## مسلمانانِ ہند کی رہنمائی میں ندوہ کا کردار

جنوبی ایشیا میں ۱۸۵۷ء کے بعد امتِ مسلمہ کی راہنمائی اور اس کے نئے تعلیمی و فکری ڈھانچے کی تشکیل میں علی گڑھ اور دیوبند کے بعد سب سے نمایاں کردار ندوہ کا ہے، اور اس کی علمی و فکری جدوجہد تاریخ کے ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ مثلاً ندوہ نے

- قدیم اور جدید کے حوالہ سے پیدا ہو جانے والی خلیج کو کم کرنے کی کوشش کی،
- امت کو ماضی سے وابستہ رکھنے کے لیے تاریخِ اسلام کو نئے انداز سے پیش کیا،
- علمی و دینی تحریکات کے ساتھ ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور صحابہ کرامؓ کے اسوہ اور سوانح سے لے کر عصرِ حاضر کی علمی، دینی اور روحانی شخصیات کے افکار و سوانح کو اردو میں منظم انداز میں متعارف کرایا،
- تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ روحانی و اخلاقی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی،

- اور عربی زبان کو عصرِ حاضر کی زندہ اور ارتقا پذیر زبان کے طور پر جنوبی ایشیا کے دینی و علمی حلقوں میں زندہ رکھا۔
- جبکہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کے ساتھ ساتھ فکری راہنمائی کا پرچم بھی سنبھالا اور اسلام کی تہذیبی و ثقافتی روایات کے تحفظ و بقا کے حوالہ سے امت کو مستقبل کے خطرات وضروریات سے مسلسل آگاہ کیا۔

## مغرب کی دانش اور حضرت ندویؒ کے افکار

آج مغرب کی دانش سوسائٹی میں مذہب کی واپسی کے امکانات اور اس کی پیشرفت کو دیکھتے ہوئے روایت، درایت اور وجدانیات کے جس امتزاج اور توازن کی تلاش میں ہے میرے نزدیک اسے صحیح طور پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے افکار و تعلیمات اور علمی جدوجہد میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اور اسلام آباد کی سید ابوالحسن علی ندویؒ اکیڈمی نے اسی عزم کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے جس پر وہ ہم سب کے شکریہ اور تعاون کی مستحق ہے۔ یہ اکیڈمی ہمارے فاضل دوست جناب جعفر بھٹی نے اپنے رفقاء کے ہمراہ قائم کی ہے اور ایک اچھی لائبریری کے قیام کے علاوہ اس کی طرف سے طلبہ و طالبات میں اس قسم کے سیمینارز اور تقریری و تحریری مقابلوں کا اہتمام بھی کیا جا رہا ہے۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد-۱۸ جنوری ۲۰۱۹ء)

# حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں الشریعہ اکادمی کی نشست

۲۵ فروری کو مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں الشریعہ اکادمی کی طرف سے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں ایک تعزیتی ریفرنس کا اہتمام کیا گیا جس میں شہر کے سرکردہ علماء کرام اور اہلِ دانش نے شرکت کی۔ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ کے ریٹائرڈ پرنسپل پروفیسر محمد عبد اللہ جمال نے نشست کی صدارت کی، جبکہ گوجرانوالہ تعلیمی بورڈ کے شعبہ امتحانات کے نگران پروفیسر غلام رسول عدیم مہمان خصوصی تھے، انہوں نے تفصیل کے ساتھ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ملی خدمات اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا۔ ان کے علاوہ گورنمنٹ ظفر علی خان ڈگری کالج وزیر آباد کے پروفیسر حافظ منیر احمد اور راقم الحروف نے بھی نشست سے خطاب کیا۔ نظامت کے فرائض معروف صحافی اور استاد سید احمد حسین زید نے سرانجام دیے۔ قاری ملک عبد الواحد صاحب نے تلاوت کلام پاک سے حاضرین کو محظوظ کیا اور بزرگ عالمِ دین علامہ محمد احمد لدھیانوی کی دعا پر نشست اختتام پذیر ہوئی۔

## سید احمد حسین زید کا شکوہ

سید احمد حسین زید نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اس بات کا شکوہ کیا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسی عظیم علمی، دینی اور روحانی شخصیت کی جدائی پر اہلِ علم و دانش کی طرف سے تعزیتی پروگراموں کا جس طرح اہتمام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو رہا، جو خود اہلِ علم و دانش کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس نوعیت کے تعزیتی پروگراموں کا انعقاد صرف جانے والے بزرگوں کا نہیں بلکہ نئی نسل کا بھی حق ہے کہ اسے ان بزرگوں کے بارے میں بتایا جائے اور اسے اس کے ماضی کے ساتھ ذہنی وابستگی کا ماحول مہیا کیا جائے۔

## پروفیسر غلام رسول عدیم کی گفتگو

پروفیسر غلام رسول عدیم نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خدمات اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی جدوجہد کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور بتایا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد برِ صغیر کے مسلمانوں کو سنبھالنے کے لیے دو نقطۂ نظر سامنے آئے:

۱۔ ایک نقطۂ نظر سر سید احمد خان مرحوم کا تھا کہ مسلمانوں کے مستقبل کو محفوظ رکھنے کے لیے انہیں انگریزی اور جدید علوم سے بہرہ ور کیا جائے تاکہ وہ ملک کے نظام میں عملاً شریک ہو سکیں اور معاشی ابتری کا شکار نہ ہو جائیں۔

۲۔ دوسرا نقطۂ نظر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کا تھا کہ مسلمانوں کے زوال اور پستی کا سب سے بڑا سبب دین سے دوری ہے اس لیے دینی تعلیم کو عام کیا جائے۔

سید احمد خانؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دونوں ایک ہی استاد مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد تھے مگر دونوں نے الگ الگ راستہ اختیار کیا اور دونوں کے موقف اور پروگراموں میں واضح تضاد پایا جاتا تھا۔ جبکہ ان دونوں نقطۂ ہائے نظر کی خوبیوں کو جمع کرنے کے لیے ۱۸۹۸ء میں ایک تیسرا ادارہ ندوۃ العلماء کے نام سے وجود میں آیا جس کی بنیاد مولانا سید علی مونگیریؒ نے رکھی اور ان کے ساتھ مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا حکیم سید عبد الحئی حسنیؒ اور مولانا عبد الحقؒ حقانی جیسے سرکردہ علماء اور اہلِ دانش نے ندوہ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ ندوۃ العلماء کا موقف یہ تھا کہ مسلمانوں کے روشن مستقبل کے لیے ان کا اپنے دین اور ماضی کے ساتھ وابستہ رہنا ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ جدید علوم و فنون سے آراستہ ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ندوہ نے مسلمانوں کو ایک نیا اور متوازن راستہ دکھایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک فکری و علمی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔

پروفیسر غلام رسول عدیم نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے حدیثِ رسولؐ کی ترویج پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر لی کہ دین کا اصل سرچشمہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و تعلیمات ہیں۔ مگر ندوہ کی توجہات اور جدوجہد کا مرکز تاریخِ اسلام بنی کیونکہ اپنے ماضی سے پوری طرح آگاہی حاصل کیے بغیر نئی نسل کا صحیح طور پر مسلمان رہنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا شبلیؒ نعمانی، مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسلامی تاریخ اور مسلم شخصیات

پر جو تحقیقی کام کیا اور تاریخِ اسلام کو جس اہتمام کے ساتھ اردو کے قالب میں ڈھالا اس نے ندوہ کو ملی تاریخ میں ایک امتیازی مقام عطا کر دیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی جبکہ ان کے والد محترم مولانا سید عبدالحئی حسنیؒ ندوۃ العلماء کے ناظم تھے۔ مولانا حکیم عبدالحئی حسنیؒ خود بھی اپنے دور کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے، اردو ادب میں ان کی کتاب ''گل رعنا'' بلند پایہ کی کتاب ہے اور ''نزہۃ الخواطر'' کے نام سے آٹھ جلدوں میں ان کی ضخیم تحقیقی کتاب سے اہلِ علم مسلسل استفادہ کر رہے ہیں۔ مولانا علی میاںؒ ان کے فرزند ہیں اور انہوں نے ندوہ کے ماحول میں تعلیم حاصل کی اور پھر کم و بیش نصف صدی تک ندوہ کے سربراہ رہے۔ ندوہ کا ذوق تاریخ کے ساتھ ساتھ ادب میں بھی اعلیٰ سطح کا ہے اور عربی و اردو ادب میں ندوہ کی خدمات ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اقبالیات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور عرب دنیا میں اقبالؒ کو متعارف کرانے میں سب سے نمایاں کردار مولانا ندویؒ کا ہے، جو خود لکھتے ہیں کہ وہ جب عرب ممالک میں گئے تو دیکھا کہ وہاں برصغیر کے ہندو دانشور اور شاعر بندر ناتھ ٹیگور کا تعارف تو ہے مگر مسلمان مفکر علامہ اقبالؒ کو وہاں کے لوگ نہیں جانتے۔ چنانچہ انہوں نے ۲۵ سال کی عمر میں خود اقبالؒ سے ملاقات کر کے ان کے کلام کی عربی میں ترجمہ کرنے کی اجازت چاہی اور اپنے ارادے کا اظہار کیا، جس پر علامہ اقبالؒ بہت خوش ہوئے اور انہیں اجازت دے دی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے دور میں ندوہ کی علمی و فکری تحریک کا تعارف عالمی سطح پر ہوا اور خود مولانا مرحوم بھی پورے عالمِ اسلام کے قابلِ صد احترام فکری راہنما کے طور پر سامنے آئے۔ وہ صرف ندوہ کے سربراہ نہیں تھے بلکہ رابطہ عالمِ اسلامی کے بانی رکن بھی تھے اور متعدّد عرب یونیورسٹیوں کی اعلیٰ کمیٹیوں کے رکن تھے۔ جبکہ ان کی عربی و اردو تصنیفات پورے عالمِ اسلام کے علماء اور دانشوروں کے لیے راہنمائی کا مدتوں سرچشمہ رہیں گی۔

## پروفیسر حافظ منیر احمد کا شکوہ

پروفیسر حافظ منیر احمد نے عربی ادب میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے پاکستان میں عربی ادب کے فروغ کے سلسلہ میں ریاستی اداروں کی بے حسی کا شکوہ کیا اور توجہ

دلائی کہ اہلِ دانش کو اس صورتحال کا نوٹس لینا چاہیے کہ پاکستان کے سرکاری اداروں میں عربی ادب کی طرف توجہ دن بدن کم ہوتی جارہی ہے اور یہ رجحان پیدا ہورہا ہے کہ اب عربی ادب کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں رہی۔

## راقم الحروف کی گفتگو

راقم الحروف نے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمات کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا اور حاضرین کو بتایا کہ مولانا علی میاںؒ صرف گفتگو اور تحریر کی دنیا کے بزرگ نہیں تھے بلکہ عملی میدان میں بھی انہوں نے مسلمانانِ ہند کی مجاہدانہ راہنمائی کی، اور وہ مسلسل ہندو جارحیت کا شکار بھارت کی مسلم اقلیت کا بہت بڑا سہارا تھے۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی خاندانی قوانین کے تحفظ کی جدوجہد کی آخر وقت تک جرأت مندانہ قیادت کی، اور اپنی وفات سے صرف دو ماہ قبل مذہبی احکام سے دستبرداری اور مشترک خاندانی قوانین (کامن سول کوڈ) قبول کرنے کی دعوت کو ارتداد کی دعوت قرار دے کر مسترد کرنے کا اعلان کیا، بلکہ یوپی کے مسلمانوں کے مذہبی تعلیم کے نظام کو بچانے اور مستحکم کرنے کے لیے بھی مؤثر کردار ادا کیا۔

اور یہ مولانا ندویؒ ہی کی شخصیت تھی کہ جب یوپی کے سرکاری سکولوں میں بی جے پی کی حکومت نے ”بندے ماترم“ کا ترانہ روزانہ صبح تعلیم کے آغاز پر گانے کو لازمی قرار دیا تو اس ترانے کے بعض شرکیہ اشعار کی وجہ سے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اس ترانے کے کچھ اشعار شرکیہ ہیں اور ہم ابراہیمیؑ ہیں، اس لیے ہم موت تو قبول کر سکتے ہیں مگر ہمارے بچے یہ ترانہ نہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ مولانا ندویؒ کے اس شدید احتجاج پر یوپی حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔

راقم الحروف نے عرض کیا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ہمارے علمی اور فکری راہنما تھے اور ان کی زندگی اور تگ و تاز رہتی دنیا تک علماء اور اہلِ دانش کے لیے علمی و فکری سرچشمہ اور مشعلِ راہ رہے گی۔ اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے بزرگوں کی خدمات سے نئی نسل کو روشناس کرایا جائے اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۶ مارچ ۲۰۰۰ء)

# حضرت ندویؒ سے میرا تعلق

# حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے میرا تعارف

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زیارت و ملاقات سب سے پہلے ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی جب وہ رابطہ عالمِ اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لیے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے اور راقم الحروف بھی عمرہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں حرم پاک میں تھا۔ حضرت مولانا ندویؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ محترم سعدی صاحب مرحوم کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے جبکہ میں اپنے خالو محترم مفتی محمد اویس خان ایوبیؒ کا مہمان تھا جو اُن دنوں جامعہ ام القریٰ میں زیر تعلیم تھے اور اب وہ میرپور آزاد کشمیر کے ضلع مفتی ہیں۔

## حضرت ندویؒ کے ساتھ طوافِ بیت اللہ

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا علی میاںؒ (مولانا ندویؒ) کو زندگی میں پہلی بار وہاں دیکھا بلکہ مولانا ندویؒ کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کا موقع بھی ملا، اور ان کے بڑھاپے اور ضعف کے پیش نظر انہیں بازوؤں کے حصار میں رکھتے ہوئے ہجوم سے بچانے کی کوشش بھی کرتا رہا۔ اور پھر سعدی صاحب مرحوم کے مکان پر دونوں بزرگوں کے ساتھ ملاقات و گفتگو کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس دور میں پاکستان کی صورتحال یہ تھی کہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کا اقتدار عروج پر تھا اور جمعیت علماء اسلام ''ایم آر ڈی'' میں شرکت کے سوال پر دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ اپنا تعارف جمعیت علماء اسلام کے حوالہ سے کروایا جس سے مولانا ندویؒ ذہنی تحفظات کا شکار ہوگئے، اور پھر پاکستان کے حوالہ سے بہت سے امور کا تذکرہ ہونے کے باوجود ان کی زبان سے کوئی تبصرہ سننے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

## حضرت ندویؒ کے تصنیفی کام سے تعارف

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتابوں اور تحریرات سے تعارف بہت پرانا تھا اور طالب علمی کے

دور میں ہی ان کی بہت سی تحریروں کا مطالعہ کر چکا تھا۔ ایک دور ایسا بھی گزرا کہ وہ عرب نیشنلزم کے سخت ترین ناقدوں میں سے تھے، اور عرب نیشنلزم اور ترک نیشنلزم کی تحریکوں کو خلافتِ عثمانیہ کے خاتمہ کا باعث قرار دیتے ہوئے نیشنلزم کے علمبردار بالخصوص مصر کے جمال عبدالناصر مرحوم اور ترکی کے مصطفیٰ کمال اتاترک کو تنقید کا بطورِ خاص نشانہ بناتے تھے۔ جبکہ میرا تعلق اس طبقہ سے تھا جو نہر سویز کی جنگ اور برطانوی استعمار کے خلاف معرکہ آرائی کی وجہ سے جمال عبدالناصر مرحوم کا مداح تھا، اور ان کی فکری تحریک کو عالمی استعمار سے عربوں کی آزادی کا ذریعہ تصور کرتا تھا۔ مگر اس فکری اختلاف کے باوجود مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ عقیدت اور ان کی تحریروں کی چاشنی سے لطف اندوز ہونے کا سلسلہ جاری رہا۔

مغربی ثقافت اور جدید کلچر کی نقاب کشائی اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے تعارف کے حوالہ سے ان کی تحریریں میرے لیے خصوصی دلچسپی کا باعث تھیں۔ اور کئی جلدوں پر محیط ان کی ضخیم تصنیف ''کاروانِ دعوت و عزیمت'' نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا جس میں انہوں نے امتِ مسلمہ کے ان ارباب عزیمت و استقامت کی جدوجہد سے نئی نسل کو متعارف کرایا ہے جو ہر دور میں اربابِ اقتدار کی ناراضگی اور غیظ و غضب کی پروا کیے بغیر حق اور اہلِ حق کی نمائندگی کرتے رہے ہیں، اور حق گوئی کی پاداش میں انہیں بے پناہ مصائب اور مشکلات کا شکار ہونا پڑا۔

## ندوۃ العلماء لکھنؤ کی سربراہی

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھارت کے معروف علمی ادارہ ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کے سربراہ تھے۔ اور ندوہ صرف ایک ادارہ نہیں بلکہ ایک علمی و فکری تحریک کا نام ہے جس نے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش پر برطانوی استعمار کے تسلط کے بعد ملتِ اسلامیہ کو بیدار رکھنے اور اس کے دینی و ثقافتی تشخص کی حفاظت کے لیے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اور اس حوالہ سے ہماری ملی تاریخ میں علی گڑھ یونیورسٹی اور دارالعلوم دیوبند کے ساتھ جو تیسرا نام ناقابلِ فراموش حصہ بن چکا ہے، وہ ندوۃ العلماء لکھنؤ ہے، جس کی بنیاد وقت کے ایک باخدا شخص مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے رکھی جبکہ مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسی عبقری شخصیتوں نے اسے پروان چڑھایا۔

ندوہ نے علی گڑھ اور دیوبند کی دو انتہاؤں کے درمیان توازن اور جامعیت کی ایک نئی راہ اپنائی اور

اسلامی تاریخ کو ثقاہت و استناد کے ساتھ اردو کے قالب میں ڈھال کر نئی نسل کا رشتہ اپنے شاندار ماضی کے ساتھ استوار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے پاکستان چلے آنے کے بعد ندوہ کی سیادت سنبھالی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس فکر کا دائرہ برصغیر سے نکل کر پورے عالمِ اسلام تک پھیلتا چلا گیا۔ اردو تو مولانا ندویؒ کی گھر کی زبان تھی مگر عربی کو بھی ان سے کبھی اجنبیت کی شکایت نہ ہوئی۔ وہ عربی ایسی قدرت اور روانی کے ساتھ بولتے اور لکھتے تھے کہ خود عربوں کو اس پر حیرت ہوتی تھی۔ میں نے بعض عرب دانشوروں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا خطاب اس لیے سنا کرتے تھے کہ ان کی زبان کی چاشنی اور سلاست و فصاحت کا حظ اٹھا سکیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ صرف ندوۃ العلماء کے سربراہ اور نمائندہ نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق جہادِ بالاکوٹ کے عظیم جرنیل سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے بھی تھا۔

## حضرت ندویؒ سے تلمذ و ارادت کا شرف

گزشتہ سال دل میں ایک جذبہ ابھرا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت کی درخواست کی جائے اور ان سے ان کی سند کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی جائے۔ میرا بیعت کا تعلق شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے فرزند و جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ سے تھا جنہوں نے زندگی بھر شفقت و اعتماد سے نوازا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت لاہوریؒ کے خلفاء میں سے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ فکری ہم آہنگی اور طبعی مناسبت سب سے زیادہ تھی اس لیے ان سے یہ تعلق قائم کرنے کا ارادہ بن گیا۔ مگر دو تین برس سے وہ علالت کی وجہ سے لندن تشریف نہ لے جا سکے جبکہ ایک سال قبل لاہور تشریف لائے اور ملاقات بھی ہوئی مگر رش کی وجہ سے عرضِ مُدعا نہ کر سکا۔ چنانچہ عریضہ لکھ کر دونوں امور کی درخواست کی، جس کے جواب میں ابھی چند ماہ قبل ان کا گرامی نامہ گوجرانوالہ میں موصول ہوا، جس میں انہوں نے درخواستِ بیعت قبول کرتے ہوئے بیعت کے دائرہ میں شامل کرنے کے علاوہ اپنی اسناد کے ساتھ حدیثِ نبویؐ علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کی روایت کی اجازت بھی مرحمت فرما دی۔

اس طرح حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ عقیدت و محبت اور فکری استفادہ کے تعلق کے ساتھ تلمذ و ارادت کا شرف بھی شامل ہو گیا۔ البتہ اس سے اگلا مرحلہ مقدر میں نہیں تھا، اور میں

ابھی اس پروگرام کا تانا بانا بُن رہا تھا کہ کسی بہانے بھارت کا ویزا ملے تو شیخ واستاذ کی حیثیت سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک بار پھر زیارت کی سعادت نصیب ہو جائے۔ مگر بیسویں صدی کے آخری روز برطانیہ کے شہر برنلی کی جامع مسجد فاروق اعظم میں ایک روزہ قیام کے دوران حضرت مولانا علی میاںؒ کی سرپرستی میں چلنے والے جامعۃ الہدیٰ نوٹنگھم کے پرنسپل مولانا رضاء الحق سیاکھوی نے فون پر یہ جانکاہ خبر دی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آج صبح رائے بریلی انڈیا میں زندگی کا سفر مکمل کر کے خالقِ حقیقی کے حضور پیش ہو چکے ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان کی حسنات کو قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، اور ان کے علم وفکر کے گلشن کو تاقیامت آباد رکھیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۱۴ جنوری ۲۰۰۰ء)

# میری اسنادِ حدیث

## میرے تلمذ و اجازت کے شیوخ

گزشتہ روز جدہ سے ہمارے محترم دوست قاری محمد رفیق صاحب نے فون پر یہ اطلاع دی کہ ہمارے شیخ محترم الاستاذ المحدث عبداللہ بن احمد الناخبیؒ کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ محترم کا تعلق یمن سے تھا اور علم حدیث کی تدریس و تعلیم زندگی بھر ان کا مشغلہ رہا، ان کا شمار ہمارے اکابر اور معمر محدثین میں ہوتا ہے، انہوں نے سو سال سے زیادہ عمر پائی ہے، ایک عرصہ سے جدہ میں مقیم تھے اور مختلف ممالک سے آنے والے علماء کرام اور حدیث نبویؐ کے اساتذہ و طلبہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تلمذ اور اجازت کا شرف حاصل کرتے تھے - راقم الحروف کو بھی تین سال قبل ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، انہوں نے بڑی شفقت سے نوازا، حدیث مسلسل بالاَولیۃ سنائی، اپنی اسناد کے ساتھ روایت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس مجلس میں کم و بیش پندرہ بیس منٹ کی نصیحت آمیز گفتگو فرمائی جس میں میرے لیے خصوصی دلچسپی کا باعث مغرب کی ثقافت و فکر پر ان کا مختصر علمی تبصرہ تھا، جس سے راہنمائی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے یہ حوصلہ بھی ملا کہ جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات و فرمودات کی موجودہ دور کے تقاضوں کی روشنی میں وضاحت کے حوالہ سے میں اپنے ذوق میں منفرد نہیں ہوں۔

میرے علم حدیث کے باقاعدہ اور تعلیمی اساتذہ والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم، عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا جمال احمد بنویؒ ہیں۔ جبکہ مجھے جن شیوخ کی خدمت میں بالمشافہ حاضری اور ان سے روایت حدیث کی اجازت کا شرف حاصل ہے ان میں الاستاذ عبدالفتاح ابو غدہؒ، الاستاذ محمد یسین الفاوانی المکی الشافعیؒ، الاستاذ عبداللہ بن احمد الناخبیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا محمد نافع جھنگوی دامت برکاتہم شامل ہیں۔

شیخ محترم الاستاذ الناخبیؒ کی سادہ اور پروقار مجلس کا منظر اس وقت بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے اور میں اس سے محظوظ و مستفید ہو رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر کریں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔ جولائی ۲۰۰۷ء)

..... تحدیثِ نعمت کے طور پر اس بات کا تذکرہ شاید نامناسب نہ ہو کہ مجھے بحمد اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم، عمِ مکرم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبد القیوم ہزاروی دامت برکاتہم، حضرت مولانا جمال احمد مظاہری دامت برکاتہم اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے علاوہ مسند العصر حضرت الاستاذ الشیخ محمد یاسین الفادانی المکی الشافعیؒ اور الاستاذ المحقق المحدث عبد الفتاح ابوغدہؒ سے باقاعدہ ملاقات و زیارت کے ساتھ تلمذ و اجازت کا شرف حاصل ہے۔ اور اب اس کے ساتھ الاستاذ الشیخ عبد اللہ بن احمد الناخبی دامت فیوضہم سے تلمذ و اجازت کی سعادت بھی حاصل ہو گئی ہے فالحمد للہ علیٰ ذلک۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۱ ستمبر ۲۰۰۴ء)

..... میرے حدیث کے شیوخ میں درج ذیل اکابر بھی شامل ہیں:

۱۔ مکہ مکرمہ میں انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے شافعی المذہب محدث گزرے ہیں جو اپنے دور کے مسند العصر تھے الشیخ المحدث محمد یاسین الفادانیؒ، ان کی خدمت میں مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے استاذ مولانا سیف الرحمٰن مکی کے ہمراہ مجھے حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت شیخؒ نے ہمیں متعدد سلسلات سنائیں جن میں وہ مسلسل بالأولیۃ بھی ہے، جو ابھی میں آپ کے سامنے پڑھوں گا، حضرت شیخؒ نے ہمیں زبانی اور تحریری طور پر اپنی اسناد کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت دی۔

۲۔ شام کے معروف محقق اور حنفی محدث الشیخ المحدث عبد الفتاح ابوغدہؒ کی خدمت میں مجھے لندن میں مولانا عیسیٰ منصوری اور مولانا محمد اکرم ندوی کے ہمراہ حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے امام بخاریؒ کی ''الأدب المفرد'' کی ابتدائی چند روایات مجھ سے سنیں اور اپنی تمام اسناد کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۳۔ جبکہ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مجھے تحریری طور پر اپنی اسناد کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

اس کے بعد میں آپ کے سامنے مسلسل بالاَولیۃ روایت پڑھتا ہوں جس میں مجھ سے لے کر حضرت سفیان بن عیینہؒ تک یہ تسلسل موجود ہے کہ ہر شاگرد نے اپنے استاذ سے پہلی روایت یہی سنی ہے، یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک و تعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ رحم فرماتے ہیں، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔.....

(جنوری ۲۰۰۴ء کے دوران بنگلہ دیش میں علماء کرام کے اجتماع سے خطاب)

## حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

.....بخاری شریف میں میری اصل سند تو تعلیمی سند ہے جو والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے حوالہ سے ہے کہ میں نے بخاری شریف مکمل اُن سے پڑھی ہے، اور انہوں نے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اساتذہ سے پڑھی ہے۔ یہ سند معروف ہے لیکن مجھے بحمد اللہ تعالیٰ دیگر بہت سے اکابر محدثین سے بھی روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے جن میں الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ، الشیخ عبد اللہ بن احمد الناخبی الحضرمی، اور الشیخ سید ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

## شیخ محمد یاسین فادانیؒ

ان میں شیخ محمد یاسین فادانیؒ کی سند کے ساتھ میں آپ کے سامنے روایت پڑھوں گا، ایک تو اس لیے کہ اس میں واسطے کم ہیں اور دوسرا اس لیے کہ شیخ فادانیؒ اپنے دور کی ایک عظیم محدثہ خاتون الشیخہ امۃ اللہ محدثہ دہلویہؒ سے روایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ کی بیٹی اور شاگرد ہیں اور وہ اپنے والد محترمؒ سے روایت کرتی ہیں۔ اس عظیم محدثہ خاتون کی نسبت سے میں طالبات کے سامنے عام طور پر اسی سند کے ساتھ روایت پڑھا کرتا ہوں تاکہ آپ طالبات بھی اس نسبت کی برکت میں شامل ہو جائیں۔

امام بخاریؒ ابتدا میں ''بدء الوحی'' کا باب لاکر یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہمارے تمام معاملات کی بنیاد وحی پر ہے۔ عقیدہ وایمانیات سے لے کر اخلاق ومعاملات تک ہم ہر معاملہ میں وحی سے راہنمائی حاصل کریں گے۔ یہ بات آج کے دور میں جبکہ پوری دنیا آسمانی تعلیمات کو ماننے یا اُن سے صاف انکار کرنے کے حوالہ سے دو واضح حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے، بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ ہم آج کے عالمی تناظر میں وحیٔ الٰہی کے ساتھ اور آسمانی تعلیمات کے ساتھ اپنی دوٹوک وابستگی اور کمٹمنٹ کا اظہار کررہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز نیت والی روایت سے کیا ہے جس سے وہ یہ سبق دے رہے ہیں کہ اصل بات نیت ہے اور نیت پر ہی عمل کا مدار ہے۔ اگر نیت درست ہے تو اعمال بھی درست ہیں، اور اگر خدانخواستہ نیت میں گڑبڑ ہے تو اعمال بھی اسی کے مطابق شمار ہوں گے۔ اس لیے ہمیں اس کارِ خیر کے آغاز سے پہلے اپنی نیتوں کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ ہم کس نیت اور غرض کے ساتھ یہ کام کررہے ہیں، اور اگر اس میں کوئی جھول یا کجی ہو تو اسے درست کرلینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیت کی اصلاح کے ساتھ صحیح عمل کا ذوق اور اس کی تکمیل کی توفیق سے نوازیں، آمین ثم آمین۔

(۳اکتوبر ۲۰۰۹ء کو جامعہ تعلیم القرآن للبنات گوجرانوالہ میں بخاری شریف کی تقریب سے خطاب)

## میری بخاری شریف کی تعلیمی سند

..... چونکہ میں بخاری شریف کی یہ روایت اپنی بیٹیوں کے سامنے بطورِ سبق اور روایت پڑھ رہا ہوں، اس لیے اس سے قبل اپنی سند کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میری بخاری شریف کی تعلیمی سند یہ ہے کہ میں نے بخاری شریف اپنے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم سے پڑھی ہے، انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے پڑھی ہے، انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ سے پڑھی ہے، انہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ سے پڑھی ہے، انہوں نے حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری رحمہ اللہ سے پڑھی ہے، انہوں نے حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ سے پڑھی ہے، انہوں نے حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے پڑھی ہے، انہوں نے حضرت شاہ عبد

العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ سے پڑھی ہے۔ یہ ہماری سندِ حدیث کا ایک مرحلہ ہے، جو ہم سے امام ولی اللہ دہلویؒ تک ہے۔ دوسرا مرحلہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے امام بخاریؒ تک ہے، جو بخاری شریف کے اس نسخہ میں حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ کے تحریر کردہ مقدمہ میں مذکور ہے، جو نسخہ ہمارے ہاں متداول ہے۔ جبکہ تیسرا مرحلہ امام بخاریؒ سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر حدیث کے ساتھ الگ درج کیا ہے۔ اس طرح ان تین مراحل میں ہماری تعلیمی سندِ حدیث مکمل ہوتی ہے، جس کے ذریعہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم بخاری شریف کی احادیث سندِ متّصل کے ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

یہ میری تعلیمی سند ہے، اس کے علاوہ اجازت کی اسناد بھی ہیں، جو متعدّد شیوخ سے ہیں۔ مثلاً مجھے الشیخ الاستاذ ابو غدہؒ، الشیخ المسند ابو الفیض محمد یاسین الفادانی المکیؒ، الشیخ المعمر المسند عبد اللہ بن احمد الناخبی الحضرمیؒ اور الشیخ الاستاذ ابوالحسن علی الندویؒ سے بھی ان کی تمام اسناد کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے۔ مگر میں جب بچیوں کے سامنے بخاری شریف کی حدیث پڑھتا ہوں تو الشیخ الاستاذ محمد یاسین الفادانی المکی الشافعیؒ کی سند بطورِ خاص میرے سامنے ہوتی ہے، اس لیے کہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک سند میں واسطے کم ہو جاتے ہیں اور اس لیے بھی کہ اس میں ایک عظیم محدثہ خاتون الشیخہ امۃ اللہ محدثہ دہلویہ بھی سند میں آتی ہیں، اس طرح کہ الشیخ المحدث عبد الغنی الدہلویؒ سے روایت کرتی ہیں۔ چنانچہ اس سند کے ساتھ میں بخاری شریف کا آخری سبق پڑھنے والی طالبات کے سامنے ان کے نصاب کی آخری روایت پڑھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔.....

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہم صل علی سیدنا محمد النبی الامی وآلہ واصحابہ واتباعہ وبارک وسلم۔ "وبالسند المتصل منی الی الامام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ قال: باب قول الرجل لصاحبہ ہل اعرستم اللیلۃ وطعن الرجل ابنتہ فی الخاصرۃ عند العتاب، حدثنا عبداللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک عن عبد الرحمٰن بن القاسم عن ابیہ عن عائشۃ قالت: عاتبنی أبوبکر وجعل یطعننی بیدہ فی خاصرتی فلا یمنعنی من التحرک الا مکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورأسہ علی فخذی۔"

"ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی

اللہ عنہ نے ڈانٹ ڈپٹ کی اور اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں مکے مارنے لگے، مگر مجھے ہلنے جلنے سے اس کے سوا کوئی بات نہیں روک رہی تھی کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور ان کا سر مبارک میری گود میں تھا۔".....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۲ستمبر تا ۱۵ستمبر ۲۰۰۸ء)

## حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ

..... حضرت (انور) شاہ صاحبؒ (کشمیری) کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق شروع سے ہی تھا، اس لیے مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ سے جب ملاقات ہوتی تو یہ سارا تناظر ذہن میں ہوتا اور میں اس سے حظ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ گزشتہ چند ماہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ فون پر مسلسل رابطہ رہا، افسوس کہ وعدہ کے باوجود میں خود ایک بار بھی انہیں فون نہ کر سکا مگر انہوں نے کئی بار فون کیا۔

ایک بار فون پر دریافت کیا کہ دیوبند میں منعقد ہونے والے ایک مجوزہ سیمینار میں میری حاضری ہو سکے گی؟ میں نے عرض کیا کہ اگر ویزا آسانی سے لگ جائے تو خود میرا بھی دیوبند اور لکھنؤ میں حاضری کو جی چاہتا ہے، اس پر خوش ہوئے اور ویزے کے لیے پیشرفت کا وعدہ کیا۔

ایک بار دریافت کیا کہ میں روحانی سلسلہ میں کس سے مجاز ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ اپنے ذوق کے حوالہ سے اس میدان کا راہی نہیں ہوں مگر میرا بیعت کا تعلق سلسلہ قادریہ میں حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ، اور ان کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے رہا ہے، جبکہ والد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ نے سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے خلفاء مجازین میں میرا نام لکھ رکھا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں بھی آپ کو اپنے مجازین میں شامل کرتا ہوں اور اپنی اسناد کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت بھی دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے، آمین۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۸مئی ۲۰۰۸ء)

# میرا بیعت کا تعلق

## حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ سے بیعت

..... میرا یہ معاملہ بھی عجیب سا ہے کہ طالب علمی کے دور میں حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ سے بیعت کی تو انہوں نے یہ فرما کر روحانی اسباق کا کہنے سے گریز کیا کہ ابھی آپ پڑھ رہے ہیں۔ بعد میں حاضری اور ملاقاتوں کا تو اس قدر تسلسل رہا کہ میں شیرانوالہ ہی کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا مگر روحانی اسباق کی طرف توجہ نہ ہوئی۔ ایک دن میں نے سرسری انداز میں ذکر کیا تو اسی طرح سرسری انداز میں انہوں نے فرمایا کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہی آپ کا سبق ہے۔ اس کے بعد میں نے بھی تذکرہ نہیں کیا۔

## حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد میں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت کی تحریری درخواست کی تو انہوں نے بیعت میں شامل فرما لیا اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کی اجازت بھی دے دی۔

## حضرت والد محترمؒ کی ہدایت

اس دوران والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے، جو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سعیدیہ میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز سے بیعت اور ان کے خلیفہ مجاز تھے، اپنے خلفاء کی فہرست میں میرا نام بھی شامل کر دیا۔ میں نے ایک دن ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میں تو اس میدان کا آدمی نہیں ہوں، اس کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر یہ فرمایا کہ تصوف کے بارے میں مجھے لکھنے کا موقع نہیں ملا، یہ اب تم نے لکھنا ہے اور لکھنے سے پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا منظورؒ نعمانی کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کر لینا۔ میں نے ان سے وعدہ تو کر لیا مگر ابھی تک تحیّر کے عالم میں ہوں اور ”ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں“ کی کیفیت اس حوالہ سے مجھ پر

سوار رہتی ہے۔ دوسری طرف میرے قابلِ قدر بھائیوں اور حضرت والد محترم کے عقیدت مندوں نے مجھے ان کا جانشین ہونے کا لقب دے رکھا ہے، اور میرے لیے یہ الگ مسئلہ بنا ہوا ہے کہ حضرت والد محترمؒ کے مریدین تجدید بیعت کے لیے رجوع بلکہ اصرار کرتے ہیں تو ان کا سامنا کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اکثر کو ٹال دیتا ہوں لیکن کچھ نہیں ٹلتے تو ان کے سامنے ''سرنڈر'' ہونا پڑتا ہے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲ مارچ ۲۰۱۲ء)

## نقشبندی سلسلہ کی خلافت

.....سوال: زندگی میں پہلی بار اصلاحی تعلق کے لیے کس خانقاہ میں جانے کا اتفاق ہوا؟

جواب: میرا اصلاحی تعلق الحمدللہ شروع ہی سے شیرانوالہ لاہور سے رہا ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ (حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری کے خلیفہ و داماد) میرے مرشد و شیخ ہیں۔ ان کی وفات تک یہ سلسلہ باقاعدہ قائم رہا۔ ان کے بعد مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا، جبکہ حضرت والد محترم مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے بھی مجھے نقشبندی سلسلہ میں خلافت سے نوازا ہے۔

(اسلامک رائٹرز موومنٹ کے تعاون سے روزنامہ مشرق لاہور کے سنڈے میگزین ۲ جولائی ۲۰۲۳ء میں شائع ہونے والے انٹرویو کا ایک سوال)

# میرے پسندیدہ مصنفین

سوال: آپ کے پسندیدہ مصنفین؟ آپ کی پسندیدہ کتابیں؟ آپ کے پسندیدہ رسائل؟ پسندیدہ افسانہ نگار؟ کالم نگار؟ پسندیدہ مزاح نویس؟ طنز نگار؟

جواب: پسندیدہ مصنفین میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، چودھری افضل حقؒ، مولانا مودودیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سرفہرست ہیں۔ حدیثِ نبوی، تاریخ اور سیاسی تجزیہ کی کوئی بھی قابلِ فہم کتاب میرے نزدیک قابلِ ترجیح ہوتی ہے۔ کالم نگاروں میں ارشاد احمد حقانی مرحوم، احسان بی اے مرحوم، جاوید چودھری، منو بھائی اور حامد میر کو زیادہ پڑھا ہے، اور مزاح نگاروں میں شوکت تھانوی مرحوم، احمد ندیم قاسمی مرحوم اور ابراہیم جلیس مرحوم کو پڑھتا رہا ہوں اور اب یونس بٹ کو پڑھ لیتا ہوں۔

سوال: آپ اپنی دنیائے مطالعہ میں کس ایک مصنف کو بلند ترین مقام پر رکھتے ہیں جس کا آپ کی ذہنی نشوونما پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہو؟ (خصوصاً اردو لکھنے والوں میں سے؟)

جواب: علمی و تحقیقی دنیا میں متقدمین میں امام محمدؒ، امام بخاریؒ، ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ، جبکہ دورِ حاضر میں والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، عم مکرم مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ، مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور الاستاذ وہبہ زحیلی، اور فکری دنیا میں علامہ اقبالؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور چودھری افضل حقؒ نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔

سوال: کچھ ایسے مصنفین جن کو ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا ہو، ملاقات میں کامیاب ہوئے، ملنے کے بعد تاثرات؟

جواب: اقبالؒ اور چودھری افضل حقؒ تو میری ولادت سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے، البتہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور الاستاذ وہبہ زحیلی سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی زیارت پہلی بار ۱۹۸۴ء کے دوران مکہ مکرمہ میں کی جہاں وہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ہمراہ غالباً رابطہ عالمِ

اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لیے گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ بیٹھنے اور گفتگو کی سعادت حاصل کرنے کے علاوہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کو اپنے بازوؤں کے حصار میں بیت اللہ شریف کا طواف کرانے کا شرف بھی حاصل کیا۔ مولانا ندویؒ سے بعد میں میرا بیعت کا تعلق قائم ہوا اور انہوں نے تحریری طور پر اپنی تمام اسناد کے ساتھ روایتِ حدیثِ نبویؐ کی اجازت کے شرف سے بھی نوازا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ امریکی مصنف ''ڈیل کارینگی'' بھی میرے پسندیدہ مصنفین میں سے ہیں مگر ملاقات کا موقع نہیں مل سکا، شاید وہ بھی میری ہوش کی عمر سے پہلے ہی دنیا چھوڑ چکے ہوں۔ نسیم حجازی مرحوم سے ملاقات کر کے خوشی ہوئی۔ مولانا مودودیؒ سے ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے ساتھ برطانیہ میں گزرے ہوئے چند دن میری زندگی کے یادگار ایام میں سے ہیں۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کے ساتھ ملاقات بھی خوشی کا باعث بنی، جبکہ ڈاکٹر حمید اللہؒ کی زیارت و ملاقات کی زندگی بھر حسرت رہی۔

(جناب عرفان احمد، مدیر ماہنامہ ''نوائے کسان'' لاہور کے مرتب کردہ سوالنامہ میں سے چند سوالات۔ مطبوعہ ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ اکتوبر ۲۰۱۱ء)

# خدمات اور افکار و نظریات

# بندے ماترم کا ترانہ اور بھارتی مسلمان

روزنامہ جنگ لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۹۸ء کی خبر کے مطابق ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سربراہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے فتوی جاری کیا ہے کہ یوپی (اترپردیش) کے سکولوں میں روزانہ تعلیم کے آغاز پر گائے جانے والے ترانہ ''بندے ماترم'' میں مسلمان طلبہ کی شمولیت جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے ایک بند میں یہ کہا گیا ہے کہ ''ہم وطن کی پوجا کرتے ہیں''۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے فتوی میں کہا ہے کہ وطن سے محبت ایک الگ جذبہ ہے لیکن پوجا صرف اللہ تعالی کی ہوتی ہے اور کوئی مسلمان اللہ تعالی کی ذات کے سوا کسی اور کی پوجا کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

بھارت کے سب سے بڑے صوبے یوپی میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت ہے جو ہندو انتہا پسندی کی علمبردار سمجھی جاتی ہے اور اس نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ یوپی کے تمام سکولوں میں ہر روز صبح تعلیم کے آغاز سے پہلے یہ ترانہ اجتماعی طور پر گایا جائے۔ اس کے ردعمل میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سربراہ کو مسلمان طلبہ اور طالبات کے عقیدہ کے تحفظ کے لیے یہ فتوی جاری کرنا پڑا ہے اور بھارت کے دیگر سرکردہ علماء کرام نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

اس سے جہاں بھارت کے سیکولر ہونے کے نام نہاد دعوے کی قلعی کھلتی ہے وہاں بی جے پی کی انتہا پسند حکومت کے ہاتھوں مسلمانوں کو درپیش مسائل و مشکلات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی بھارتی مسلمانوں کو اپنے ایمان و عقائد اور ملی اقدار و روایات کے تحفظ میں استقامت اور صبر و حوصلہ کے ساتھ مشکلات و مسائل کا سامنا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور کامیابی سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - دسمبر ۱۹۹۸ء)

گزشتہ شمارے میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سربراہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے یوپی (اترپردیش) کے سرکاری سکولوں میں بی جے پی (بھارتیہ جنتا پارٹی) کی حکومت

کے آرڈر کے تحت روزانہ صبح گائے جانے والے اس ترانے میں مسلمان طلبہ اور طالبات کی شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے جس کا ایک بند یہ ہے کہ ''ہم دھرتی کی پوجا کرتے ہیں''۔

اس اعلان کے بعد مولانا ندوی کو ہندو انتہا پسندوں کی طرف سے مسلسل طعن وتشنیع کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے۔ حتیٰ کہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۹ دسمبر ۱۹۹۸ء میں شائع شدہ ایک مضمون کے مطابق لکھنؤ پولیس نے گزشتہ دنوں مولانا موصوف کے گھر پر ریڈ کیا اور ان سے بدسلوکی کی اور بدتمیزی کا مظاہرہ بھی کیا، جس پر متعدّد دینی حلقوں نے شدید احتجاج کیا ہے۔ اور چونکہ مولانا علی میاں کی علمی شخصیت عالمی سطح پر متعارف ہے اس لیے عالمی ذرائع ابلاغ بھی اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں اور بی بی سی نے اس پر ایک مستقل پروگرام نشر کیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ بھارتی پولیس کا یہ شرمناک طرزِ عمل تاریخی تسلسل کا حصہ ہے، وہی تاریخی تسلسل جو اہل حق کے ساتھ ارباب ظلم وجور کے ہمیشہ سے چلے آنے والے معاندانہ اور توہین آمیز رویہ سے عبارت ہے۔ اور جس کے سینکڑوں مظاہر کا تذکرہ خود مولانا موصوف نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی متعدّد ضخیم جلدوں میں کیا ہے۔ بہرحال ہم بھارتی پولیس کی اس افسوسناک حرکت کی مذمت کرتے ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ رب العزت مولانا موصوف کو صحت وسلامتی کے ساتھ بھارتی مسلمانوں کی تادیر راہنمائی کرتے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - جنوری ۱۹۹۹ء)

.....اس سلسلہ میں بھارت کے مسلمان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ تمام تر مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اپنے خاندانی قوانین کا تحفظ کیے ہوئے ہیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سربراہی میں تمام مکاتب فکر کا مشترکہ ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے پرسنل لاء کے تحفظ کی جنگ لڑ رہا ہے۔ بھارت میں ''کامن سول کوڈ'' کے نفاذ کے نام سے مسلمانوں کے جداگانہ شخصی قوانین کو ختم کرنے کی مہم ایک عرصہ سے چل رہی ہے اور مسلمانوں پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ قومی یکجہتی کی خاطر نکاح وطلاق اور وراثت میں اپنے جداگانہ مذہبی قوانین سے دستبردار ہو کر کامن سول کوڈ قبول کر لیں۔ چنانچہ یہاں بھی کامن سول کوڈ سے مراد وہی بین الاقوامی

قوانین اور معیار ہے جس کا تذکرہ میں نے پہلے اقوام متحدہ کے چارٹر کے حوالہ سے کر دیا ہے۔ مگر انڈین مسلمان اس معاملہ میں بالکل بے لچک ہیں اور پرسنل لاء میں اپنے مذہبی احکام و قوانین کے تحفظ کا پوری طرح عزم کیے ہوئے ہیں جس پر وہ بلاشبہ تبریک و تحسین اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد-۱۳۱ اگست ۱۹۹۹ء)

# حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمات

## بھارتی پارلیمنٹ میں یکساں سول کوڈ کا بل

بھارتی پارلیمنٹ میں ان دنوں ملک بھر میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لیے ایک پرائیویٹ بل پر بحث جاری ہے، یہ بل جنتا پارٹی کے ممبر پارلیمنٹ شنکر رادت نے پیش کر رکھا ہے اور اسے بھارتیہ جنتا پارٹی اور شیوسینا کی حمایت حاصل ہے جو بھارت میں انتہا پسند ہندو تنظیمیں شمار کی جاتی ہیں، جبکہ کانگریس اور جنتادل نے اس بل کی مخالفت کی ہے۔ اس بل کا مقصد یہ ہے کہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے شہریوں کے لیے شخصی قوانین یعنی نکاح و طلاق اور وراثت کے قوانین میں یکسانیت پیدا کی جائے اور ہر مذہب کے پیروکاروں کے لیے الگ شخصی قوانین کی سہولت ختم کر دی جائے۔ اس سلسلہ میں دستوری پوزیشن یہ بیان کی جاتی ہے کہ بھارتی آئین میں مذہبی اقلیتوں کو شخصی قوانین کے ذریعے اپنا تشخص برقرار رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی تمام شہریوں کے لیے یکساں قوانین کے نفاذ کا وعدہ بھی آئین میں موجود ہے۔ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی مخالفت سب سے زیادہ مسلمان کر رہے ہیں جو بھارت کی سب سے بڑی مذہبی اقلیت ہیں اور اپنے شخصی قوانین اور مذہبی تشخص سے دستبردار ہونے کے لیے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں ہیں۔ اس مقصد کے لیے تمام مسلمان جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم ہے جو بھارت بلکہ عالم اسلام کی ممتاز علمی شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی قیادت میں ایک عرصہ سے مسلمانوں کے شخصی قوانین کے تحفظ کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے۔.....

(روزنامہ پاکستان، اسلام آباد-۵ جون ۱۹۹۷ء)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے لیے بہت بڑے سہارے اور ڈھارس کی حیثیت رکھتے تھے اور صرف قلم اور زبان کی دنیا کے آدمی نہیں تھے بلکہ انہوں نے عملی میدان میں بھارتی مسلمانوں کی جرأت مندانہ قیادت کی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مسلمانوں کے

خاندانی قوانین کے تحفظ کے لیے قائم ہونے والے کل جماعتی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سربراہ تھے اور انہوں نے آخر دم تک اس ذمہ داری کو پوری جرأت واستقامت کے ساتھ نبھایا۔

## خاندانی قوانین اور بندے ماترم کا معاملہ

بھارت میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان پر ایک عرصہ سے یہ دباؤ چلا آرہا ہے کہ وہ نکاح، طلاق اور وراثت سے متعلقہ خاندانی قوانین میں مذہبی احکام سے دستبردار ہو کر ہندوؤں اور دیگر غیر مسلمانوں کے ساتھ مشترکہ خاندانی قوانین (کامن سول کوڈ) کو قبول کرلیں۔ لیکن مسلمان اس کے لیے تیار نہیں ہیں، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سربراہی میں تمام مسلم جماعتوں اور مکاتبِ فکر کے نمائندوں پر مشتمل آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی قیادت کررہا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے شخصی اور خاندانی قوانین کو ابھی تک تحفظ حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں اپنی وفات سے صرف دو ماہ قبل مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ممبئی میں ہونے والے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ملک گیر اجتماع میں جو خطبۂ صدارت پیش کیا اس میں انہوں نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ نکاح، طلاق اور وراثت میں مذہبی احکام سے دستبردار ہونے کی دعوت کو ہم ارتداد کی دعوت سمجھتے ہیں، اور اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جس طرح ہمارے اسلاف نے ارتداد کی دعوت کا ہمیشہ کیا ہے۔

اسی طرح بھارت کے سب سے بڑے صوبہ یوپی میں بی جے پی کی حکومت نے جب سرکاری تعلیمی اداروں میں روزانہ صبح ''بندے ماترم'' کا ترانہ گانے کو تمام طلبہ اور طالبات کے لیے لازمی قرار دیا تو مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اعلان کیا کہ اس ترانے کے بعض اشعار شرکیہ ہیں اور ہم مسلمان ہیں، کوئی شرکیہ ترانہ نہیں گاسکتے، اس لیے ہم موت قبول کرلیں گے مگر ہمارے بچے سکولوں میں یہ ترانہ نہیں پڑھیں گے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس دوٹوک اور شدید احتجاج پر یوپی حکومت کو بالآخر اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔

## نیشنلزم حضرت ندویؒ کی نظر میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے عالمِ اسلام کو سب سے زیادہ جس فتنے سے خبردار کیا اور اس کے لیے مسلسل محنت کی وہ ''نیشنلزم'' کا فتنہ ہے۔ مولانا ندویؒ کا کہنا ہے کہ وطنی قومیت کا یہ فتنہ عالمِ اسلام کا شیرازہ بکھیرنے اور خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کے لیے سازش کے تحت کھڑا کیا گیا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس فتنے سے نجات حاصل کرنی چاہیے اور ملی سوچ اور جذبات کو فروغ دینا چاہیے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بہت سی علمی و روحانی نسبتوں کا مجموعہ تھے۔ ان کا خاندانی تعلق امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے تھا اور وہ رائے بریلی کی عظیم خانقاہ دائرہ شاہ علم اللہؒ کے مسند نشین تھے۔ علمی طور پر وہ ندوۃ العلماء کے نمائندہ تھے اور روحانی طور پر انہیں حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ سے خلافت و اجازت حاصل تھی، اور بلاشبہ وہ ہمارے ان عظیم اسلاف و اکابر کی آخری نشانی تھے جو ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔

اس تعزیتی ریفرنس کا مقصد جہاں مولانا ندویؒ کی خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کرنا اور ان کے ساتھ اپنی نسبت کا اظہار ہے وہاں نئی نسل کو ان کے کارناموں کا تعارف کرانا بھی ہے جو نئی پود کا حق ہے کیونکہ ان جیسے بزرگوں اور اکابر کی خدمات اور کارناموں سے سبق حاصل کر کے ہی ہماری نئی نسل آنے والے دور میں ملتِ اسلامیہ کی صحیح طور پر خدمت اور رہنمائی کر سکتی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم مارچ ۲۰۰۰ء میں جناب اعجاز میر کی رپورٹ سے ماخوذ)

# پیش لفظ ''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا فہمِ قرآن''

(ڈاکٹر محمد طارق ایوبی کی تصنیف ''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا فہمِ قرآن''
کے پیش لفظ کے طور پر لکھا گیا۔)

''قرآن فہمی'' دین کے فہم اور تفہیم دونوں کا بنیادی تقاضہ ہے، اس لیے یہ ہر دور کے اہلِ علم و دانش کی فکری و علمی جدوجہد کا مرکزی نکتہ رہا ہے جس کا تسلسل قیامت تک اسی طرح رہے گا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحیٔ مسلسل کا آخری، حتمی اور مکمل مجموعہ ہے جس کے نزول کے بعد رہتی دنیا تک نسلِ انسانی کی ہدایت اور رشد و فلاح اسی سے وابستہ ہے۔

## نسلِ انسانی کی ہدایت، قرآن کریم کا اساسی موضوع

قرآن کریم کا اساسی موضوع نسلِ انسانی کی ہدایت ہے اس کا دائرہ پوری نسلِ انسانی اور دورانیہ قیامت تک وسیع ہے، اس لیے اس کے فہم کا منطقی تقاضہ یہ ہے کہ:

- قرآن کریم جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کے مقام و مرتبہ، فصاحت و بلاغت اور ادبی و لسانی خصوصیات و امتیازات سے نہ صرف یہ کہ واقفیت ہو، بلکہ اس کے ماضی و حال کے تنوعات، گہرائیوں اور وسعتوں تک بھی کماحقہ رسائی حاصل ہو۔
- قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے متکلّم تک براہ راست رسائی کا خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ذریعہ میسر نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی منشا و مراد سے آگاہی کے لیے جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات و فرمودات اور افعال و معمولات ہی واحد اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔
- قرآن کریم کے نزول اور اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و تشریحات کے

عینی گواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کی تعبیرات وتشریحات اور فعل وعمل کی تفصیلات انہی سے معلوم کی جاسکتی ہیں اور وہی اس کا معیار ہیں۔

- قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کی عملداری نے جو معاشرہ عملی طور پر تشکیل دیا اس کا اعلیٰ ترین دور صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور اتباعِ تابعینؒ کا زمانہ ہے۔ جسے خود جناب رسول اکرمؐ کے ایک ارشاد گرامی میں ''خیر القرون'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے قرآن فہمی میں اس دور کا شعور وادراک بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔
- قرآن وسنت کا دورانیہ قیامت تک ہے، اور زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حالات کا تغیر اور مسلسل تہذیبی ارتقا کے نتیجے میں متنوع مسائل ومعاملات کا پیش آتے رہنا انسانی سماج کا فطری تقاضہ ہے، اس لیے قرآن وسنت کی عملی تطبیق ونفاذ کے دائرے بھی حرکت پذیر رہتے ہیں۔ ان تنوعات وتغیرات کو پیشِ نظر رکھنا فہمِ قرآن کریم کا ناگزیر تقاضہ ہے جس سے شناسائی کے لیے تاریخ اور فقہی ارتقا کو بھی مدِ نظر رکھنا ہوگا۔
- ہمارے ہاں قرآن کریم کی سینکڑوں تفاسیر مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں جو ہمارا بہت قیمتی علمی ورثہ اور بیش بہا خزانہ ہے، اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مگر ایک بات نظر انداز کرنا مشکل ہوگئی ہے کہ بیشتر تفسیروں میں اس دور کی معاشرتی ترجیحات اور مفسرین کے ذاتی ذوق واسلوب کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ ان دونوں باتوں کو غیر اہم قرار نہیں دیا جاسکتا مگر ان سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فہم وتشریح کے تمام ضروری تقاضوں کے امتزاج کے ساتھ ساتھ ان میں توازن بھی ہو، حالات کے تغیر وارتقا کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جائے، اور مختلف ادوار کی تعبیرات وتشریحات اور تطبیقات کا باہمی فرق اور اس کے اسباب وعوامل بھی پیشِ نظر ہوں۔

## حضرت ندویؒ کی ادبی وعلمی مہارت

اس تناظر میں عصرِ حاضر میں قرآن کریم کے فہم اور تفہیم کے حوالہ سے جن بزرگوں کی علمی کاوشیں اصحابِ فکر کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کراتی ہیں ان میں ہمارے شیخ محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی نمایاں مقام وحیثیت رکھتی ہے۔ عربی زبان کے

ساتھ ان کا تعلق و مہارت اور زبان و ادب کی گہرائیوں اور وسعتوں تک ان کی رسائی بلاشبہ قابلِ رشک رہی ہے۔ میں نے لندن کے ایک اجتماع میں ایک معروف عرب دانشور اور استاذ کو حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی گفتگو پورے انہماک کے ساتھ سنتے دیکھا، اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو شیخ کی عربی سننے اور اس سے حظ اٹھانے کے لیے آتے ہیں۔

## جہاتِ فکرِ ندویؒ اور آج کے تقاضے

حدیث و سنت، فقہ و شریعت اور اسلامی تاریخ کی شخصیات و ادوار پر حضرت ندویؒ کی نظر ان کے مقالات و خطبات میں جابجا جھلکتی دکھائی دیتی ہے، جبکہ زمانہ کے تغیرات اور تنوعات سے ان کی کماحقہ آگاہی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ

- ایک طرف وہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی جدوجہد سے دنیا کو روشناس کرا رہے ہیں،
- دوسری طرف وہ مغرب کی تہذیب و فلسفہ کے نقاد و جراح دکھائی دیتے ہیں،
- تیسری جانب عربوں اور ترکوں کو ان کی سیاسی و تہذیبی کشمکش کے اسباب و عوامل اور نتائج و عواقب سے آگاہ کرنے میں مسلسل مصروف رہے ہیں،
- اور اس کے ساتھ پوری اسلامی تاریخ میں دعوت و عزیمت کے مختلف مراحل ان کی نوک قلم پر ہیں۔

تاریخ و سماج کے طالب علم کے طور پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر و فلسفہ سے کسی حد تک روشناسی کے بعد ان کی فکری کاوشوں کو آگے بڑھانے اور زمانۂ حال میں ان کی تطبیق و نفوذ کی راہیں تلاش و ہموار کرنے میں جن شخصیات کا کردار متوجہ کرتا دکھائی دیتا ہے ان میں عملی جدوجہد کے حوالہ سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، اور فکری دنیا میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی جدوجہد سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے افکار و تعلیمات کے دائرے بہت وسیع اور متنوع ہیں جن میں فکری و علمی نکات کا ایک وسیع سمندر ہے جس میں غوطہ زن ہو کر نوادرات کو اہلِ علم کے سامنے لانا آج کی علمی، دینی اور فکری ضرورت ہے۔ بالخصوص ایسے ماحول میں کہ مغرب کا فکر و فلسفہ

طبعی عمر گزار کر واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے، اور مغربی دانش علم و فکر کی دنیا میں کسی نئے راہرو کی تلاش میں ہے۔ قرآن کریم اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اسلوب اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زبان میں دنیا کے سامنے لانا بلاشبہ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

اس پس منظر میں حضرت ندویؒ کے فہمِ قرآن کریم کے حوالہ سے محترم ڈاکٹر محمد طارق ایوبی کا یہ تجزیاتی مقالہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، میں دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت ان کی اس کاوش کو قبولیت و ثمرات سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے نافع بنائیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۶ جنوری ۲۰۲۱ء)

# ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' کے چند گوشے

## فتنوں کی نشاندہی کا ذوق

..... حضرت حذیفہؓ کا یہ ذوق صحابہ کرامؓ میں اس قدر معروف تھا کہ لوگ ان سے اس حوالے سے بطور خاص معلومات حاصل کیا کرتے تھے اور کہیں فتنوں کے حوالے سے گفتگو ہوتی تو صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ بات حذیفہؓ سے پوچھو، ان کی معلومات اس کے بارے میں زیادہ ہیں۔

دین کے دیگر شعبوں کی طرح امت میں اس ذوق کے افراد بھی ہر دور میں رہے ہیں اور ایسے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد ہے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں فتنوں کی نشاندہی کی، امت کو ان سے خبردار کیا اور اس مشن میں انہیں قربانیوں اور تکالیف کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں لکھی ہے جو اردو میں ہے اور جس میں ہر دور کے ایسے نمایاں بزرگوں اور شخصیات کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے عقائد، عبادات، اخلاقیات، سیاست و اجتماعیت اور دیگر شعبوں میں پیدا ہونے والے فتنوں کو بے نقاب کیا، امت کو ان سے خبردار کیا اور اس کی پاداش میں انہیں قید وبند کی صعوبتیں اٹھانا پڑیں، طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ بہت سے بزرگوں کو جام شہادت بھی نوش کرنا پڑا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ذات گرامی کو سامنے رکھ لیجئے جنہوں نے عقائد اسلام کے ایک اہم مسئلہ پر خلق قرآن کے فتنہ کا مقابلہ کیا، سرعام کوڑے کھائے، جیل جانا قبول کیا اور جسم لہولہان کرالیا، مگر ایک اسلامی عقیدہ کی غلط تعبیر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ صرف مثال کے طور پر ایک بزرگ کا نام میں نے لیا ہے، ورنہ امت میں سینکڑوں علماء کرام ایسے گزرے ہیں جنہوں نے ہر دور میں امام احمد بن حنبلؒ کی اس سنت کو زندہ رکھا ہے اور عزیمت واستقامت کی عظیم روایات کے تسلسل کو باقی رکھا ہے۔

آج بھی یہ تسلسل قائم ہے اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی جدوجہد اسی تسلسل کا حصہ ہے۔ اس لیے جس طرح دین کے دیگر شعبوں کے لیے افراد کو تیار کرنا دین کا تقاضا ہے، اسی طرح فتنوں سے واقفیت، ان کی نشاندہی، ان سے امت کو باخبر کرنے اور اس مقصد کے لیے ابلاغ کے ہر ممکن ذریعہ کو استعمال کرنے کی صلاحیت سے علماء کرام اور دینی کارکنوں کو بہرہ ور کرنا اور انہیں اس کے لیے تیار کرنا بھی دینی ضرورت ہے، اور دینی مراکز اور اداروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء)

## الشیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ اور ہمارے آج کے مسائل

امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ ایسے علماء حق کے تذکروں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ہر دور میں حالات کی رفتار کا جائزہ لیتے ہوئے امت مسلمہ کی صحیح راہنمائی کی اور وقت کے ظالم و جابر حکمرانوں کو راہ راست پر لانے اور ان کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انہی میں سے ایک حق گو اور صاحب بصیرت عالم دین کا تذکرہ آج کے کالم میں کرنے کو جی چاہتا ہے جنہیں تاریخ شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ کے نام سے یاد کرتی ہے، اور جنہیں کم و بیش اسی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا جس طرح کے حالات آج عالم اسلام، مسلم حکومتوں اور ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں، اور اسی مناسبت سے ان کے کچھ واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے..... شیخ کو سب سے زیادہ فکر تاتاریوں کی یورش کی تھی جو ہر طرف سے عالم اسلام کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ شیخ نے سلطان مصر الملک الصالح نجم الدین کو تاتاریوں کے خلاف جنگ کرنے اور ان کا راستہ روکنے کے لیے مقابلہ پر آنے کی ترغیب دی۔ سلطان نے تاتاریوں کی ہیبت کی وجہ سے عذر کیا کہ ہمارے پاس اس قدر وسائل نہیں ہیں کہ تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے سامان جنگ خرید سکیں۔ اس واقعہ کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی معروف تصنیف ''تاریخ دعوت و عزیمت'' جلد اول میں جس انداز سے ذکر کیا ہے اسے انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

"اس زمانہ میں تاتاری جابجا سے مسلمانوں پر یورش کر رہے تھے، اسی اثنا میں انہوں نے مصر کا رخ کیا۔ تاتاریوں کی مسلمان پر جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی وہ ضرب المثل ہے۔ مصر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ سلطان مصر اور اہل مصر کو ہمت مقابلہ کی نہیں ہوتی تھی۔ شیخ الاسلام نے ہمت دلائی اور فرمایا کہ تم اللہ کا نام لے کر نکلو، میں فتح کی ضمانت دیتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ میرے خزانے میں روپیہ کم ہے، میں تجار سے قرض لینا چاہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا:

"پہلے اپنے محل کے جواہرات اور اپنی بیگمات کے زیورات نکالو، ارکان سلطنت اور امراء دربار اپنی اپنی بیگمات کے وہ زیورات حاضر کریں جو حرام ہیں اور اس کے سکے ڈھلوائے جائیں وہ لشکر میں تقسیم ہوں۔ اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو قرض لیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے پہلے قرض کی کوئی ضرورت نہیں۔"

شیخ کا اتنا رعب تھا کہ بادشاہ اور امراء سلطنت نے بے چون و چرا جواہرات اور زیورات شیخ کے سامنے حاضر کر دیے اور ان سے مصارف جنگ پورے ہو گئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔"

آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ عالم اسلام کو امریکی استعمار کی صورت میں نئی تاتاری یورش کا سامنا ہے۔ مشرق وسطی کے بیسیوں فوجی مراکز فرنگیوں کی تحویل میں ہیں جو مسلمان ریاستوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر کے اپنے فوجی تسلط کا بہانہ پیش کر رہے ہیں۔ امریکہ کے ساتھ برہمن سامراج اور صہیونیت کا گٹھ جوڑ ملتِ اسلامیہ کے لیے چیلنج کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے۔ مسلم ممالک کے دارالحکومتوں میں بیٹھے ہوئے حکمران مرعوبیت اور سراسیمگی کی علامت بن کر رہ گئے ہیں، امراء اور حکمران طبقے عیاشی اور لوٹ مار کی انتہا کو چھو رہے ہیں، اور سیاست و دانش کا نقاب اوڑھے بہت سے چہرے قوم کی سپر اندازی اور بے غیرتی کا سبق دے رہے ہیں۔ ایسے میں ضرورت ہے ایک عدد عزالدین بن عبدالسلام کی جو دینی حمیت اور قومی غیرت کا عنوان بن کر سامنے آئے اور حکمران طبقوں کو یہ بات سمجھا دے کہ اب وقت آگیا ہے کہ عیاشی چھوڑ دو، زنا اور شراب سے توبہ کرو،

اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جھک جاؤ، حرام ذرائع سے جمع کی ہوئی دولت قومی خزانے کو لوٹا دو، عوام پر نت نئے ٹیکس نہ لگاؤ، انہیں انصاف مہیا کرو اور کفر کے سامنے گردن جھکانے کی بجائے اس کے سامنے ڈٹ جاؤ کہ مسلمان کے لیے غیرت اور کامیابی کا راستہ صرف یہی ہے۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد-۷ جون ۱۹۹۸ء)

## مختلف طبقات سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خطاب

اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں صدیوں سے چلے آنے والے مسلم اقتدار کو شدید بیرونی و اندرونی خطرات سے سابقہ در پیش تھا، اور جہاں ایک طرف سات سمندر پار سے آنے والے برطانوی، فرانسیسی اور پرتگیزی استعماری گروہ اس خطہ پر تجارت کے عنوان سے تسلط جمانے کے لیے مسلسل پیش قدمی کر رہے تھے، وہاں جنوبی ہند کے مرہٹوں نے قوت پکڑ کر دہلی کی مسلم مغل حکومت کے لیے حقیقی خطرات کھڑے کر دیے تھے۔ جبکہ مسلمان حکمران، نواب، امراء اور دیگر بااثر طبقات اقتدار کی باہمی کشمکش اور عیش پرستی میں الجھے ہوئے ہر محاذ پر پسپائی اختیار کرتے جا رہے تھے۔

عام مسلمان اور دیندار حلقے اس صورتحال پر سخت پریشان اور مضطرب تھے اور انہیں اصلاحِ احوال کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس ماحول میں اہلِ حق کے سرخیل حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے قافلۂ حق کی ترجمانی کرتے ہوئے ملت کی راہنمائی اور ترجمانی کی ذمہ داری سنبھالی اور فکری و عملی محاذ پر جو کچھ ان کے بس میں تھا کر گزرے۔ اس موقع پر انہوں نے دیگر عملی مساعی کے ساتھ ساتھ ملت کے مختلف طبقات سے مخاطب ہو کر ان طبقات میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کی نشاندہی کی اور انہیں اصلاح کی دعوت دی۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کی پانچویں جلد میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ان خطابات کے اہم حصے کم و بیش بیس صفحات میں نقل کیے ہیں، ان میں سے چند اہم اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں:

## حکمرانوں سے خطاب

اے بادشاہو! ملا اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائے، اور اہلِ فسق و کفر کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہوں میں جا کر شامل نہ ہو جائیں، اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں۔ پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے تب تمہیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو۔ ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسم ہو، قوی ہو، جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو اور خدا کی حدود کو قائم کر سکتا ہو، اس میں سرگرم ہو کر پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا اعلانیہ اظہار کیا جائے، ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہیے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

## امراء و ارکان دولت سے خطاب

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوتی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے، تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں۔ کیا تم اعلانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے۔ تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لیے کھڑے کیے ہیں کہ ان میں زنا کاری کی جائے، شرابیں ڈھالی جائیں اور جوا کھیلا جائے، لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے اور اس حال کو نہیں بدلتے۔ کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حدِ شرعی جاری نہیں ہوئی؟ جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اس کو پکڑ لیتے ہو اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صَرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو اور نرم و گداز جسموں والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ کسی اور طرف منعطف نہیں ہوتی۔ کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف

اس لیے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو۔

## فوجی افسروں سے خطاب

اے فوجیو اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے، لیکن جس کام کے لیے تم پیدا کیے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے ہو۔ اب تم گھوڑے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو، اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اس سے اپنی دولت میں اضافہ کرو۔ جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو، تم شرابیں پیتے ہو، بھنگ کے پیالے چڑھاتے ہو، داڑھیاں منڈواتے ہو اور مونچھیں بڑھاتے ہو، عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ اُن کا لے کر کھاتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی۔ خدا کی قسم! تم عنقریب اللہ کی طرف واپس جاؤ گے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا اور صالحین غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو، چاہیے کہ داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹواؤ، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو، عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو اور جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو۔

## اہل صنعت و حرفت سے خطاب

اے اربابِ حرفت و پیشہ! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے، تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل خالی الذہن ہو چکے ہو۔۔۔ یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور جامہ اختیار کرتے ہیں، خاص طرح کے کھانے کھاتے ہیں، جن کی آمدنی کم ہوتی ہے۔ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے۔ تم میں سے بعض صرف شراب نوشی کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں۔۔۔۔ دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو، اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی، مسکینوں کی مدد کیا کرو اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لیے پس ماندہ بھی کیا کرو۔

### پیرزادوں سے خطاب

اے وہ لوگو جو اپنے آباؤ اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گزشتہ بزرگانِ دین کی اولاد میں ہو! میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمدؐ کے ذریعہ نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلا رہا ہے، اپنی جگہ اپنے آپ کو راہ یافتہ اور راہنما ٹھہرائے ہوئے ہے، حالانکہ دراصل وہ خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے۔

### غلط کار علماء سے خطاب

اے بدعقلو جنہوں نے اپنا نام "علماء" رکھ چھوڑا ہے! تم یونانیوں کے علوم میں دبے ہوئے ہو اور صرف و نحو، معانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے۔ یاد رکھو کہ علم یا تو قرآن کی کسی آیتِ محکم کا نام ہے یا سنتِ ثابتہ قائمہ کا۔ چاہیے کہ قرآن سیکھو، پھر سببِ نزول کا پتہ چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو۔ اسی طرح جو حدیثِ رسولِ انورؐ سے صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو، یعنی رسول محمدؐ نماز کس طرح پڑھتے تھے، اپنی ضرورت کے لیے کس طرح جاتے تھے، جہاد کا آپ کے ہاں کیا قاعدہ تھا، گفتگو کا انداز کیا تھا، حج کیونکر ادا فرماتے، اپنی زبان کی کس طرح حفاظت فرماتے تھے، حضورؐ کے اخلاق کیا تھے۔ چاہیے کہ حضورؐ کی پوری روش کی پیروی کرو اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو، نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو۔

### عام زندگی سے کنارہ کش صوفیوں سے خطاب

دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں، اور واعظوں اور عابدوں اور ان کج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ بہ جبر اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے کہ ہر بری بھلی بات، ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے حالانکہ تم تو اس لیے پیدا

ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے، نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کردو گے۔

## عام مسلمانوں سے خطاب

میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں کہ اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بے جا حرص و آز کا ہوکا سوار ہو گیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیے خوشگوار بنالیا ہے اور حلال تمہارے لیے بدمزہ ہو چکا ہے۔ پھر قسم ہے اللہ کی! اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہش کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑیں۔ اور اپنے مصارف اور وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو، اور اس کو رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے، چاہیے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔"

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۱۸ اگست ۲۰۰۱ء)

## "صوفی اسلام" کا مغالطہ

..... پھر صوفی اسلام کے ساتھ مغرب کی دلچسپی کی ایک وجہ اس کا یہ بہت بڑا مغالطہ بھی ہے کہ چونکہ تصوف فرد کی بات کرتا ہے اور بادی النظر میں معاشرے کے اجتماعی معاملات سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور مغرب کا سیکولر فلسفہ بھی مذہب کو صرف فرد تک محدود کر کے معاشرے کے اجتماعی معاملات سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رکھنا چاہتا، اس لیے بعض مغربی دانشوروں کے نزدیک ان کے سیکولرازم اور مذکورہ صوفی اسلام میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ دونوں صرف فرد کی بات کرتے ہیں اور مذہب کے حوالے سے اجتماعیت اور معاشرہ ان کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہے۔ لیکن یہ مغربی دانشوروں کا مغالطہ ہے، اس لیے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جتنے بھی سچے

صوفیاء کرام گزرے ہیں انہوں نے فرد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے کے اجتماعی معاملات کو درست رکھنے کے لیے بھی محنت کی ہے اور اجتماعیت کے لیے بھی ہر دور میں قربانیاں دی ہیں۔ ہمارے شیخ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی ضخیم تصنیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں امتِ مسلمہ کے ہر دور کے جن اصحابِ عزیمت کا مرحلہ وار تذکرہ کیا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ اپنے دور کے عظیم مجاہد تھے، جنہوں نے مسلم معاشرہ کو بگاڑ سے بچانے کے لیے قربانیاں دیں اور معاشرے کی اجتماعی اصلاح کے لیے جدوجہد کی ہے، بلکہ وہ اپنے اپنے دور کے ممتاز صوفیاء کرام بھی تھے اور فرد کی اصلاح اور تزکیہ نفس کے لیے بھی مسلسل مصروفِ عمل رہتے تھے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۹ جنوری ۲۰۰۸ء)

## اکبر بادشاہ کا ''دینِ الٰہی''

الشریعہ اکادمی ہاشمی کالونی گوجرانوالہ میں کچھ عرصہ قبل تک فکری نشستوں کا سلسلہ چلتا رہا ہے، کرونا کے باعث تعطل ہوا تو وقفہ زیادہ ہو گیا۔ اس سال پھر سے ان کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ ہر پیر کو مغرب کی نماز کے بعد ہفتہ وار فکری نشست ہوتی ہے، اس سال کا عنوان ''برصغیر کی دینی وملی تحریکات'' طے پایا ہے۔ گزشتہ سوموار ۲۲ مئی ۲۰۲۳ء کو جو گزارشات پیش کی گئیں ان کا خلاصہ نذر قارئین ہے:

بعد الحمد والصلوۃ۔ گزشتہ نشست میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جدوجہد کے بارے میں کچھ معروضات آپ حضرات کے گوش گزار کی تھیں جن کا ایک حصہ اکبر بادشاہ کے ''دینِ الٰہی'' کے بارے میں تھا کہ اکبر بادشاہ نے ''دینِ الٰہی'' کے نام سے مختلف مذاہب کی تعلیمات کا جو ملغوبہ متعارف کرایا تھا، اور جو اس کی شاہانہ طاقت اور دبدبہ کے باعث کچھ حلقوں میں چلتا بھی رہا ہے۔ اس کے جانشین جہانگیر بادشاہ کے دور میں اس کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ نے منظم اور مربوط محنت فرمائی اور انتہائی صبر آزما جدوجہد کے بعد بالآخر اسے منظر سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے انہیں کچھ عرصہ گوالیار کے قلعہ میں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

آج اس جدوجہد کے حوالے سے عام طور پر پائی جانے والی ایک غلط فہمی کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا کہ اس سلسلہ میں یہ بات کہہ دی جاتی ہے کہ اکبر کے ''دین الٰہی'' کے خلاف جدوجہد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ تنہا تھے اور اکبر بادشاہ کے جاہ وجلال کے باعث باقی پورے ملک میں خاموشی

کی کیفیت تھی۔ یہ بات درست نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں اس سوال کا جائزہ لے کر اس دور کے ایسے بزرگوں کا تذکرہ کیا تھا جنہوں نے اس دور میں نئے اور خود ساختہ دین کو نہ صرف قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اس کے لیے قربانیاں بھی دیں۔ ان میں کچھ بزرگوں کا مختصر تذکرہ آج کی محفل میں کرنا چاہوں گا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جدوجہد کا دور جہانگیر بادشاہ کا زمانہ ہے، جبکہ اس سے قبل خود اکبر بادشاہ کے دور میں اور اس کے اپنے ماحول میں ایسے سرکردہ علماء کرام اور دیگر طبقات کی شخصیات کا تذکرہ تاریخ میں ملتا ہے، مثلاً:

- شیخ محمد ابراہیم محدث اکبر آبادیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ خود اکبر بادشاہ نے انہیں شاہی عبادت خانہ میں دعوت دی تو انہوں نے نہ صرف شاہی آداب پر عمل کرنے سے گریز کیا، یعنی سجدہ تعظیمی نہیں کیا، بلکہ اپنے وعظ میں دینی احکام و مسائل کی دوٹوک وضاحت فرمائی جس پر اکبر بادشاہ کی ناگواری کا ذکر بھی ملتا ہے۔
- اجمیر شریف کے بزرگ شیخ حسین اجمیریؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ اکبر بادشاہ اجمیر آیا تو انہوں نے نہ صرف اس پر ناگواری کا اظہار کیا بلکہ اس موقع پر اجمیر چھوڑ کر چلے گئے۔ جس پر اکبر بادشاہ نے ان کے دربار کی تولیت کے اختیارات ختم کر دیے اور وہ کچھ عرصہ حجاز مقدس میں جا کر رہے۔ واپسی پر بھی انہوں نے سجدۂ تعظیمی سے انکار کر دیا جس پر انہیں گرفتار کر کے بھکر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔
- شیخ سلطان تھانیریؒ نے شاہی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گائے ذبح کی جس پر انہیں جلاوطن کر دیا گیا اور موت کی سزا سنائی گئی۔
- شہباز خاں کمبوہ بڑا سردار تھا اور اکبر کے ساتھیوں میں سے تھا۔ اس نے ڈاڑھی کٹوانے سے انکار کر دیا اور شراب نوشی کی محفل میں شراب پینے سے گریز کیا۔ اس کا ایک واقعہ یہ بھی مذکور ہے کہ ایک روز اکبر بادشاہ کے ساتھ مغرب کے وقت چہل قدمی کر رہا تھا اور دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے، مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو شہباز خاں نے بادشاہ سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر وہیں چادر بچھالی اور نماز ادا کی۔

- اچ شریف کے شیخ عبد القادرؒ بھی بادشاہ کے ساتھیوں میں سے تھے، بادشاہ نے ایک موقع پر انہیں افیون پیش کی تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ ناراض ہو گا۔ ایک روز بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ شاہی عبادت خانہ میں صرف فرض نماز پڑھا کریں نوافل وغیرہ گھر جا کر پڑھیں، انہوں نے کہا کہ میں اللہ کے گھر میں کسی اور کا حکم نہیں مانتا، بادشاہ کی ناراضگی بڑھنے لگی تو وہ اس کا دربار چھوڑ کر اچ شریف واپس چلے گئے۔
- شیخ عبد القادر لاہوریؒ بھی اسی مزاج کے بزرگ تھے، وہ بھی بادشاہ کی ناراضگی کے باعث ہجرت کر کے حجاز مقدس چلے گئے۔
- مرزا عزیز الدین دہلویؒ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اکبر بادشاہ کا درباری ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا رضاعی بھائی بھی تھے۔ انہیں حق گوئی کی پاداش میں صوبہ گجرات کی گورنری سے معزول کر دیا گیا۔
- شیخ منور عبد المجید لاہوریؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی حق گوئی پر ان کے مال اور املاک کو ضبط کر لیا گیا حتیٰ کہ ان کا کتب خانہ بھی جلا دیا گیا اور انہیں آگرہ میں قید کر دیا گیا۔
- ہم اس کالم میں اس سے قبل ایک موقع پر دلا بھٹی شہیدؒ کے بارے میں بھی بعض تاریخی حوالوں سے لکھ چکے ہیں کہ اس سے اکبر بادشاہؒ کی ناراضگی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسے پھانسی دی گئی اور جہاں آج کل لاہور کا بھاٹی چوک ہے، وہاں حضرت میاں میرؒ نے اس کا جنازہ پڑھایا تھا اور یہ چوک اس کے نام سے بھاٹی چوک کہلاتا ہے۔

یہ چند تذکرے اس مغالطہ کو دور کرنے کے لیے سامنے لائے گئے ہیں کہ اکبر بادشاہ کے خود ساختہ ”دین الٰہی“ کے خلاف جدوجہد صرف حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کی تھی اور باقی علماء و مشائخ خاموش رہے۔ البتہ اس جدوجہد کو مربوط اور منظم شکل حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دی اور بالآخر اس جھوٹے دین کا دبدبہ ختم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہمیں ان کی روایات کی پیروی کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ یکم جون ۲۰۲۳ء)

..... میرا یہ خیال ہے کہ مارٹن لوتھر کی اس تحریک کے اثرات ہندوستان میں آئے اور یہاں بھی یہ سوچ پیدا ہوئی کہ مذہب پر مولوی کی اجارہ داری ختم کی جائے اور ہر آدمی کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنی سمجھ کے مطابق دین کی تشریح کرے۔ چنانچہ ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کا تصور پیش کیا گیا کہ اسلامی فکر اور علم کا نیا ڈھانچہ تشکیل میں لایا جائے جس کا آغاز کرنے کے لیے انہوں نے اکبر بادشاہ کا انتخاب کیا۔

چنانچہ تاریخ میں یہ بڑی تفصیل سے مذکور ہے کہ اکبر کی اِس بات کی طرف توجہ دلائی گئی کہ یہ کام آپ کر سکتے ہیں، آپ صاحبِ اختیار ہیں صاحبِ دانش ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ اکبر کو اس کام کے لیے تیار کر لیا گیا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ اکبر کے دور میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ سلامت مجتہدِ اعظم ہیں، اس لیے قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر، نیز فقہاء کے جو اختلافات ہیں ان میں سے کسی چیز کو متعیّن کرنا وغیرہ یہ سب اختیارات اکبر کو حاصل ہیں۔ اکبر جو کہہ دے گا وہ دین ہوگا، اکبر جو اعلان کر دے گا وہ شریعت ہوگی۔ اور پھر اکبر کے نام سے اکبر کی ترکیبات و خیالات ایک نئے مذہب کے طور پر پیش کر دیے گئے جسے ''دینِ الٰہی'' کا نام دیا گیا۔ اکبر کے دینِ الٰہی کی بہت سی تفصیلات کتابوں میں مذکور ہیں، اس حوالے سے دو اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔ اس کتاب کی ایک مکمل جلد اسی حوالے سے ہے۔

۲۔ ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' از حضرت مولانا سید محمد میاں دہلویؒ۔ اس کتاب کی پہلی جلد اسی موضوع پر ہے۔.....

(۲۰۱۲ء کے دوران الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، گوجرانوالہ میں خطاب)

اکبر بادشاہ کے ''دینِ الٰہی'' کی تفصیل مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' میں پڑھی جا سکتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کی تعبیر و تشریح کی اتھارٹی حکومتِ وقت کے پاس ہے جو شریعت کا کوئی بھی حکم حسبِ ضرورت تبدیل کر سکتی ہے۔

(ٹویٹ ۱۹ اپریل ۲۰۲۲ء)

## مُلا اور آمریت کی کشمکش

.....مُلا پر ''چاندماری'' کی مشق کرنے والے ان دانشوروں کو ایک شکایت یہ بھی ہے کہ آمریت اور مُلائیت کا باہمی تعلق اور رشتہ استوار ہو گیا تھا، اس لیے امت کی ساری خرابیاں ان کے نزدیک اسی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن تاریخ میں شاید یہ بات ان کی نظر سے نہیں گزری کہ امتِ مسلمہ میں مُلائیت کے چار میں سے تین بڑے نمائندوں یعنی ائمہ اربعہ میں سے تین امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ وہ ہیں جنہوں نے آمریت سے براہ راست ٹکر لی ہے اور اپنی پشتوں پر آمروں کے کوڑے کھائے ہیں۔ حتیٰ کہ سب سے بڑے امام کو تو جیل میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ اور پھر آمریت اور مطلق العنانی سے ہر دور میں ٹکرانے والے مُلاؤں کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام مالکؒ کی سنت کو ہر دور میں زندہ رکھا ہے۔

اس مختصر مضمون میں اس فہرست کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کی بھی گنجائش نہیں ہے البتہ حوالہ کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ضخیم کتاب ''تاریخ دعوت و عزیمت'' کا مطالعہ کرنے کی سب دوستوں کو دعوت دوں گا جو کئی جلدوں میں ہے اور اس میں چودہ سو سال کے ان مُلاؤں کا تاریخ کے حوالے کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے آمریت کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کی بجائے اسے للکارا اور قربانی و ایثار کے ہر مرحلہ سے باوقار طور پر گزر گئے۔ خود ہمارے برصغیر میں اکبر بادشاہ کی آمریت و الحاد کو مسترد کرنے والے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ بھی مُلا تھے۔ اور فرنگی اقتدار سے ٹکرا کر کالا پانی کا جزیرہ آباد کرنے والے اور درختوں کی ٹہنیوں پر ہزاروں کی تعداد میں سولیاں پانے والے مولوی بھی اسی مُلائیت کا حصہ تھے جسے آمریت کا ساتھی قرار دے کر امت کی ہر ناکامی اور رسوائی کو اس کے حساب میں لکھا جا رہا ہے۔.....

(ہفت روزہ الہلال، اسلام آباد۔ ۱۱ اگست ۲۰۰۰ء)

## ''تاریخ دعوت و عزیمت'' اور ''مکاتیب سیّد احمد شہیدؒ'': جہادِ بالاکوٹ

..... شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک کے ابتدائی ایک دو سال میں جہاد کا لفظ نہیں ملے گا۔ پنجاب کی کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ سکھوں کے مسلسل اقتدار کی وجہ سے دیہات کی مسجدیں ویران ہو گئی تھیں۔

بادشاہی مسجد گھوڑوں کا اصطبل تھی۔ تو انہوں اذان اور نماز بحال کرنے، مسجدیں آباد کرنے، اصلاحِ رسوم اور اصلاحِ معاشرہ کے عنوان سے سلسلہ شروع کیا۔ پورے علاقے کا دورہ کیا اور جماعت بنائی۔ پھر پورا قافلہ حج پر گیا۔ اس کے بعد دہلی سے راجھستان اور سندھ وغیرہ سے ہو کر پشاور پہنچے۔ سندھ میں تالپوروں کی حکومت تھی، ابھی انگریزوں نے قبضہ نہیں کیا تھا اور حضرت شاہ محمد راشد قادریؒ، جن سے سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ منسوب ہے، کے زمانے میں ان کے ہاں پیر جو گوٹھ کی خانقاہ میں مہمان رہے۔ شاہ محمد راشدؒ کے مریدین بھی اس وقت سے جہاد سے جڑے، حروں کا سارا گروہ اور پیر پگارا سب وہی ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ بگاڑ آتا گیا۔

میں نے پیر جو گوٹھ میں وہ علاقہ دیکھا ہے جہاں ان کا ٹھکانہ ہوتا تھا، اور مجھے بتایا گیا کہ جب ہجرت اور جہاد کی نیت سے وہ آگے نکل رہے تھے تو ان کے خاندان بھی ساتھ تھے۔ پیر صاحب آف پگارا شاہ محمد راشدؒ نے ان سے کہا کہ آپ خاندان ساتھ نہ لے جائیں، یہاں چھوڑ جائیں ہم حفاظت کریں گے۔ وہ محلہ میں نے دیکھا جہاں وہ خاندان چھوڑ کر آگے نکلے تھے۔ پشاور میں ۱۸۳۰ء میں ان کی جنگ ہوئی، انہوں نے پشاور فتح کیا، پنجتار کا علاقہ صوابی کے ساتھ ان کا سالہا سال تک مرکز رہا ہے۔ میں نے وہ تربیتی مرکز بھی دیکھا ہے۔ ۱۸۳۰ء میں ان کی حکومت قائم ہوئی، انہوں نے یہ علاقہ سکھوں سے چھینا تھا۔ مگر ان کی حکومت چھ ماہ سے زیادہ نہیں چل سکی، ان کو نظر آگیا تھا کہ یہاں ہمارا چلنا مشکل ہے، تو پھر متبادل پناہ گاہ اور بیس کیمپ کی تلاش میں تھے۔

مظفر آباد کشمیر کے علاقے کے لوگوں نے ان سے رابطہ قائم کیا کہ آپ ہمارے پاس آجائیں، یہاں مرکز بنائیں گے۔ چنانچہ یہ پورا قافلہ اوپر کے راستے سے، کیونکہ شیر سنگھ رنجیت سنگھ کا بیٹا ان کے تعاقب میں تھا، مظفر آباد جاتے ہوئے بالاکوٹ تک پہنچے، وہاں ان کا ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو مقابلہ ہوا جس میں انہیں شکست ہوئی اور وہاں شہید ہوئے۔ پلاننگ ان کی یہ تھی کہ علاقے پر قبضہ کر کے اپنی حکومت بنائیں گے۔

"مکاتیبِ سید احمد شہیدؒ" مولانا سید نفیس الحسینیؒ نے بڑی محنت کر کے چھپوائے ہیں، اس وقت کے معاصرین سے ان کی خط و کتابت اس میں مذکور ہے، اس سے ساری بات واضح ہو جاتی ہے۔ اس پر اگر آپ پڑھنا چاہیں تو غلام رسول مہر مرحوم کی "سرگذشتِ مجاہدین" اور مولانا علی میاںؒ کی "تاریخِ

دعوت وعزیمت ''میں آپ کو تفصیلات ملیں گی۔

پھر ۱۸۵۷ء کا معرکہ پورے ملک میں ہوا۔ دہلی وغیرہ میں جنرل بخت خانؒ اور شاملی کے محاذ پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہ سبھی بزرگ، کوئی انبالہ میں، کوئی میرٹھ میں، کوئی دہلی میں، مختلف بغاوتیں ہوئیں۔ دہلی پر جنرل بخت خانؒ نے قبضہ کر لیا۔ پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، سکھوں کے ساتھ ان کے معاہدات ہو گئے، اس معاہدہ کے تحت انگریزوں نے سکھوں کی مدد کی تھی اور دہلی پر انگریزوں نے قبضہ واپس لے لیا۔

۱۸۵۷ء تک کی داستان یہ تھی، جس سے پہلے ہماری ہندو، سکھ، مسلم کی آپس میں لڑائیاں چلتی رہی ہیں۔ احمد شاہ ابدالیؒ کی پانی پت میں لڑائی ہندوؤں سے ہوئی تھی۔ سکھ ہندو اور مسلمان آپس میں متحارب طاقتیں تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد صورتحال بالکل بدل گئی، پورے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہندو، سکھ اور مسلمان سبھی محکوم ہو گئے۔ اس سے آزادی کی تحریک کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

آزادی کی مسلح تحریکوں اور سیاسی تحریکوں میں سکھ بھی شامل تھے۔ پاکستان بننے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پاکستان کے قیام کے موقع پر ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ مشرقی پنجاب میں سکھوں کی اکثریت تھی، مغربی پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس زمانے میں بہت سے دانشوروں نے کوشش کی کہ پنجاب تقسیم نہ ہو، سکھ اور مسلمان اکٹھے رہیں، لیکن سکھوں نے انکار کر دیا۔ اگر سکھ پاکستان کی تحریک کا ساتھ دیتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب دو صوبے الگ بن جاتے، خون ریزی نہ ہوتی، اور کشمیر کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ ماسٹر تارا سنگھ ان کے بڑے لیڈر تھے، پنجاب اسمبلی کے ممبر بھی تھے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی کے باہر تلوار لہرا کر کہا تھا کہ ہم اس تلوار کے ساتھ پاکستان کو روکیں گے، پھر وہ تلوار جو چلی اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا، الامان الحفیظ۔.....

(۲۰۱۸ء کے دوران الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں خطاب سے اقتباس)

.....میرے خیال میں نواب سراج الدولہ، سلطان ٹیپو شہید اور بکسر کی جنگ کے بعد آزادئ وطن کی غرض سے لڑا جانے والا یہ چوتھا بڑا معرکہ تھا، جبکہ دہلی میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے آزادی کے لیے جس جہاد کا اعلان کیا اس کا یہ پہلا معرکہ تھا جو انہی کے خاندان اور عقیدت مندوں کے قافلے نے بپا کیا۔ میں نے شہدائے بالاکوٹ کی جدوجہد کا ایک سرسری سا خاکہ آپ

حضرات کے سامنے پیش کیا ہے جس کی بڑی تفصیلات ہیں، اگر کوئی صاحب یہ تفصیلات پڑھنا چاہیں تو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف ''تاریخ دعوت و عزیمت'' کا مطالعہ کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ شہدائے بالاکوٹ نے اپنے زیر نگیں علاقے میں اسلامی حکومت قائم کر کے اس خطہ میں برطانوی استعمار کے خلاف جنگ آزادی کا نظریاتی رخ متعیّن کر دیا تھا، اور اس نظریاتی ہدف کے حصول کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔

(۴ مئی ۲۰۱۰ء کو آسٹریلیا مسجد لاہور میں خطاب - مطبوعہ روزنامہ اسلام ۱۰ مئی ۲۰۱۰ء)

..... سید احمد شہیدؒ دراصل شاہ عبد العزیزؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے فکری پیروکار تھے۔ جہاں تک شہدائے بالاکوٹ کے جہاد کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اگر سید احمد شہیدؒ کی جدوجہد کے ابتدائی مرحلہ کا مطالعہ کر لیا جائے اور اسی جدوجہد کے دوران مختلف نوابوں، مسلمان رؤسا اور علماء و مشائخ کے نام ان کے تحریر کردہ خطوط پر ایک نظر ڈال لی جائے تو ساری بات واضح ہو جاتی ہے۔ یہ خطوط ''مکاتیب سید احمد شہید'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور اردو بازار لاہور کے کسی بھی بڑے کتب خانے سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

قصہ یہ ہے کہ رائے بریلی کی عظیم روحانی خانقاہ ''دائرہ شاہ علم اللہ'' کے چشم و چراغ سید احمد شہیدؒ تعلیم و تربیت کے لیے دہلی کی ممتاز درسگاہ میں حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کی خدمت میں پہنچے، اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان سے علمی اور روحانی طور پر فیضیاب ہوئے، تو شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اس نوجوان میں جہاد کا جذبہ اور دینی حمیت محسوس کرتے ہوئے اسے ریاست ٹونک کے نواب امیر خان مرحوم کے پاس بھیج دیا، جو اس وقت ایک آزاد مسلم ریاست کے حکمران تھے اور ان کے پاس اچھی فوج موجود ہونے کی وجہ سے خاندان ولی اللہؒ کو یہ امید تھی کہ اگر نواب امیر خان کی پشت پناہی کی جائے اور ان کا حوصلہ قائم رکھا جائے تو وہ انگریزوں کے تیزی سے بڑھتے ہوئے قدموں کی راہ میں ایک مضبوط رکاوٹ ثابت ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ سید احمد شہیدؒ کو اسی مقصد کے لیے ان کی فوج میں بھرتی کرایا گیا کہ وہ فوجی تربیت حاصل کریں۔ نواب صاحب کی ذہن سازی کرتے رہیں اور اس آزاد ریاست میں خاندان ولی اللہؒ کے نمائندہ کی حیثیت سے ریاست کی آزادی کے تحفظ اور انگریزوں کے خلاف جدوجہد کے امکانات کی نگرانی کریں۔

چنانچہ سید احمد شہیدؒ ۱۸۰۹ء سے ۱۸۱۷ء تک سات سال وہاں رہے لیکن جب نواب امیر خان مرحوم نے بھی انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا سامنا کرنے کا حوصلہ اپنے اندر نہ پایا اور ان سے مصالحت کی راہ اختیار کر لی، تو پنجاب یونیورسٹی کے دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے مطابق سید احمد شہیدؒ نے ہر ممکن کوشش کی کہ نواب امیر خان انگریزوں سے صلح نہ کریں اور ان کے مقابلہ کی راہ اختیار کریں، مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہونے پر ٹونک کو چھوڑ کر دہلی واپس آ گئے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' میں سید احمد شہیدؒ کی وہ آخری گفتگو بھی نقل کی ہے جو انہوں نے ٹونک چھوڑنے سے پہلے نواب امیر خان سے کی۔ سید صاحبؒ کا کہنا تھا کہ

> ''نواب صاحب! ابھی کچھ نہیں گیا اختیار باقی ہے، آپ کی فہمائش کو آیا ہوں اگر میرا کہنا مانیے تو ان سے لڑیے اور ہرگز نہ ملیے، ملنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا، یہ کفار بڑے دغاباز مکار ہیں، کچھ آپ کے واسطے تنخواہ یا جاگیر مقرر کر کے کہیں بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجیے پھر بات ہاتھ سے جاتی رہے گی۔''

مگر نواب صاحب حوصلہ ہار چکے تھے، چنانچہ انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ مصالحت کر لی۔ اس صلح میں کمپنی کی طرف سے سب سے بڑی شرط یہ تھی کہ وہ اپنی فوج کو منتشر کر دیں، جو اس وقت بھی ایک اچھی فوج شمار ہوتی تھی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہزاروں دیندار مسلمان صرف اس جذبہ کے ساتھ اس میں بھرتی ہوئے تھے کہ انگریزوں کے خلاف کبھی معرکہ کارزار گرم ہوا تو وہ نواب امیر خان مرحوم کے جھنڈے تلے جہاد میں حصہ لے سکیں گے۔ لیکن انگریزوں سے یہ صورتحال کس طرح مخفی رہ سکتی تھی؟ انہوں نے جواب امیر خان مرحوم کو ایسا گھیرا کہ خود اس کے ہاتھوں یہ فوج منتشر کرا دی۔ سید احمد شہیدؒ نے اس صورتحال کی جو رپورٹ اپنے دہلی پہنچنے سے قبل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں بھجوائی اس میں لکھا کہ

> ''خاکسار قدم بوسی کو حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کارخانہ درہم برہم ہو گیا، نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے ہیں، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔''

اس کے بعد دہلی کے ولی اللّٰہی مرکز نے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ چونکہ وسطی ہند میں انگریزوں کے خلاف کوئی مورچہ قائم کرنا ممکن نہیں رہا، اس لیے متحدہ ہندوستان کے کسی کنارے پر قبضہ کر کے

''بیس کیمپ'' بنایا جائے اور وہاں سے جہاد کا آغاز کیا جائے، جہاں باہر کی دنیا کے ساتھ رابطہ بھی آسان ہو۔ اس وقت اس مقصد کے لیے سب سے موزوں علاقہ پشاور کا صوبہ اور قبائلی علاقہ تھا، جس کی پشت پر افغانستان تھا اور جس علاقہ کے عوام ملّی غیرت اور دینی حمیت میں نمایاں تھے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ وہ علاقہ سکھوں کے کنٹرول میں تھا اور اس کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے ظاہر ہے کہ سکھوں سے ہی جنگ ہونا تھی۔

اس سلسلہ میں سید احمد شہیدؒ کے مکاتیب میں سے صرف دو خطوں کے اقتباسات نقل کروں گا جو انہوں نے شہزادہ کامران اور والیٔ چترال شاہ سلیمان کے نام لکھے۔ پہلا خط شاہ سلیمان کے نام ہے:

> ''مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ظلم و بیداد شروع کر دی ہے، کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ ہو گیا اور شعائر اسلام اٹھ گئے ہیں، یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا، دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے۔''

جبکہ شہزادہ کامران کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ

> ''ہم ہر حال میں جہاد کو قائم رکھیں گے اور کبھی اس کو موقوف نہیں کریں گے اور انصاف اور مقدمات کے فیصلے شرع شریف کے قوانین سے بال بھر بھی تجاوز نہیں کریں گے اور ظلم و فسق سے کلیتًا اجتناب کریں گے، اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اس کو کفر و شرک سے پاک کیا جائے اس لیے کہ میرا مقصد اصلی ہندوستان کا جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان میں سکونت اختیار کرنا۔''.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۵ جولائی ۲۰۰۰ء)

## فتنوں سے آگاہی کی محنت

.....امت میں ظاہر ہونے والی خرابیاں اور فتنے ہر دور میں ایسے علماء کرام اور متکلّمین کی توجہات کا مرکز رہے ہیں جنہوں نے ان فتنوں سے آگاہی اور ان کے بارے میں مہارت حاصل کر کے امت کو ان سے بچانے کی محنت کی ہے۔ اس کی تفصیلات اگر معلوم کرنی ہوں تو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' میں دیکھی جا سکتی ہیں جس میں انہوں نے ہر

دور کے ان علماء کرام اور صوفیاء عظام کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے سرکاری اور غیر سرکاری طور پر پیدا ہونے والے فکری، اعتقادی اور معاشرتی فتنوں کو محسوس کیا اور ان کے اسباب و عوامل کی نشاندہی کر کے امتِ مسلمہ کو ان سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا۔ آج بھی یہ محنت مختلف میدانوں میں جاری ہے جن میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے تعاقب کا یہ شعبہ بھی ہے اور اس میں عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت اور دیگر دینی جماعتیں مسلسل خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۰ جولائی ۲۰۱۲ء)

## ٹیکسوں کا بوجھ اور اسلامی روایت

..... حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب امیر المومنین بنے تو قومی خزانے کا کم و بیش اَسی فیصد حصہ مقتدر لوگوں کے قبضے میں تھا اور بیت المال خالی ہو چکا تھا۔ مگر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جہاں نادہندگان سے قومی خزانے کی رقوم اور اثاثے واپس لینے کی بے لچک پالیسی اختیار کی وہاں عوام پر عائد شدہ بے جا ٹیکس ختم کر دیے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' جلد اول صفحہ ۷۳ میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یمن کے حاکم نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اطلاع دی کہ اگر ان کی ہدایات کے مطابق زمین کی پیداوار کا صرف شرعی حصہ وصول کیا جائے تو آمدنی بہت کم ہو جائے گی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ فصل کے مطابق رقم وصول ہونی چاہیے خواہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ سارے یمن سے صرف ایک مٹھی غلہ وصول ہو، میں اس پر راضی ہوں۔ اس کے علاوہ انہوں نے چنگی ساری مملکت سے معاف کر دی، اور عمال کو لکھا کہ وہ نجس ہے، لوگوں نے نام بدل کر اس کو جائز بنا لیا ہے۔ چند شرعی محاصل کے علاوہ ہر طرح کے ناجائز محاصل اور بیسیوں ٹیکس جو سابق فرمانرواؤں اور عمّالِ حکومت نے ایجاد کیے تھے، انہوں نے یکسر معاف کر دیے۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۷ جون ۲۰۰۰ء)

# فکری اِرتداد اور ''ردۃ ولا ابا بکر لہا''

## فکری ارتداد کسے کہتے ہیں؟

.....اسلام پر، قرآن کریم پر، جناب نبی اکرمؐ کی ذات گرامی پر، اور شریعت کے احکام و قوانین پر جو اعتراضات ہو رہے ہیں ان کا جواب دینا اور شکوک و شبہات کو علمی و تحقیقی طور پر رد کرنا بھی ہماری دینی ذمہ داری ہے اور خطابت اس کا اہم ذریعہ ہے۔ دفاع کو میں دو حصوں میں تقسیم کروں گا۔

ایک حصہ عالمی سطح پر دوسری اقوام، مذاہب اور فکری و تہذیبی تحریکات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات ہیں جن کے ذریعہ قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کو چیلنج کیا جا رہا ہے، حضرت محمدؐ کی ذات گرامی کو (نعوذ باللہ) طعن و اعتراض کا ہدف بنایا جا رہا ہے، اور خلافت کے اسلامی نظام اور شرعی احکام و قوانین پر شدید تنقید کی جا رہی ہے۔ یہ ایک مستقل میدان کار ہے جو آج کی عالمی فکری و تہذیبی کشمکش کے ماحول میں بہت زیادہ بلکہ میری طالب علمانہ رائے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

جبکہ دوسرا حصہ امتِ مسلمہ کے اندر اسلامی احکام و قوانین کے حوالہ سے پائے جانے والے اور پیدا کیے جانے والے شکوک و شبہات ہیں جن کا دائرہ مسلسل پھیلتا جا رہا ہے اور ہماری ہی عدم توجہ کی وجہ سے دن بدن سنگین سے سنگین تر ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے شیخ محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اسے فکری ارتداد سے تعبیر کرتے تھے.....

(۳ جولائی ۲۰۱۲ء کو مرکزی جامع مسجد، کورنگ ٹاؤن، اسلام آباد میں خطاب)

## ''ردۃ ولا ابا بکر لہا''

.....جدید مسائل کا تعلق صرف فقہی حدود اور دائرہ کار سے نہیں ہے بلکہ مغربی فلسفہ و نظام اور سائنس و ٹیکنالوجی کے پیدا کردہ مسائل میں سے بیشتر کا تعلق فکر و عقیدہ کے امور سے ہے اور نئی نسل کے ذہنوں میں فکری اعتراضات اور اعتقادی شبہات نے جو دھما چوکڑی مچا رکھی ہے اس نے فکری

ارتداد کی سرحدات کو نئی پود کے ذہنوں کے بہت قریب کر دیا ہے۔ کسی دوست نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مقالہ ''ردۃً ولا ابابکر لہا'' کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس گزارش کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ پائے گا ورنہ ہر صاحب علم کے لیے میرا مشورہ ہوتا ہے کہ وہ آج کی فکری کشمکش کو سمجھنے کے لیے اس مقالہ کا ضرور مطالعہ کرے۔ کیونکہ مغربی فلسفہ و ثقافت نے جو اعتقادی اور فکری مسائل کھڑے کر دیے ہیں ان کے بارے میں جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو شعوری طور پر مطمئن کیے بغیر ان سے اسلامی احکام و قوانین پر پوری طرح عمل کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ہی کے حوالہ سے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ برطانیہ میں مسلمان بچوں کے لیے شام کا ایک مکتب دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ انہیں نماز روزے کے مسائل ضرور رٹاؤ مگر اس کا فائدہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک ان کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دین کی اہمیت نہیں ہوگی، اس لیے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں بتاؤ اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں پختہ کرو پھر نماز روزے کے مسائل کی تعلیم دو، ورنہ خالی مسائل رٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ تبلیغی جماعت کے دوست اسی ذہن کے ساتھ کام کر رہے ہیں جو عام ذہنی سطح کے لیے مفید اور مؤثر ہے لیکن ذہن و فکر کی وہ سطح جو شعور اور استدلال اور منطق و برہان کے ذریعے بات سمجھنے کی عادی ہے اس کے لیے یہ کافی نہیں ہے اور اسے بہرحال عقل و شعور اور منطق و استدلال کے ساتھ ہی مخاطب کرنا ہوگا۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۹ جنوری ۲۰۰۵ء)

## اسلامی احکام و قوانین کے خلاف عالمی مہم

.....عالمی میڈیا اور بین الاقوامی لابیاں پاکستان میں نہ صرف چند نافذ شدہ اسلامی قوانین و احکام کو ختم کرانے کی تگ و دو کر رہی ہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور احکام و قوانین کے حوالہ سے شکوک و شبہات کی فضا پیدا کرنے میں بھی مسلسل مصروف ہیں۔ نئی نسل ان کی اس مہم کا بطور خاص ہدف ہے، اور بہت سے نوجوان طلبہ اور طالبات اسلامی تعلیمات کی حکمتوں اور پس منظر سے پوری طرح واقفیت نہ رکھنے کی وجہ سے شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں۔ معاشرتی مسائل، جدید عالمی ماحول، اور تعلیم و میڈیا کی موجودہ بین الاقوامی سرگرمیوں کے باعث جنم لینے والے شکوک و شبہات کو ہمارے شیخ محترم

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے "فکری ارتداد" سے تعبیر فرمایا تھا اور اس پر ایک مستقل مقالہ "ردة ولا ابا بکر لها" (ارتداد پھیل رہا ہے اور اس کے لیے کوئی ابوبکرؓ موجود نہیں ہے) تحریر کیا تھا جس کا مطالعہ ہمارے خیال میں ہر عالمِ دین اور دینی کارکن کے لیے ضروری ہے۔ یہ فکری ارتداد اب منظم اور مربوط انداز میں آگے بڑھ رہا ہے اور اسے بین الاقوامی لابیوں، عالمی میڈیا اور عالمی تعلیمی نظام کے ساتھ ساتھ بہت سی مسلم حکومتوں، این جی اوز اور مغربی فکر و فلسفہ سے متاثر و مرعوب مسلم دانشوروں کی پشت پناہی حاصل ہے جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اس فکری یلغار کی خصوصی جولانگاہ ہے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۶ جولائی ۲۰۰۶ء)

## نئی نسل کے فکری ارتداد کا سبب

.....مغربی فلسفہ کے اسکالرز کی طرف سے اسلامی احکام و تعلیمات پر جو علمی اور فکری اعتراضات پیش کیے جا رہے ہیں ان کی طرف سنجیدہ توجہ اور منظم محنت کی ضرورت ہے، کیونکہ نئی نسل کے فکری ارتداد کا بڑا سبب یہی اشکالات و اعتراضات بن رہے ہیں، جبکہ کوئی معقول جواب نہ ملنے کے باعث یہ اعتراضات ان کے ذہنوں میں پختہ ہوتے جا رہے ہیں۔

تشکیک آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اکثریت اس کا شکار ہے۔ یہ فکری ارتداد ہے جس کے بارے میں حضرت علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ نے "ردة ولا ابابکر لها" کے عنوان سے کتابچہ لکھ کر اس کی طرف توجہ دلائی تھی۔ یہ فکری ارتداد دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، اس کی بنیاد علم کی کمی اور معلومات کی وسعت پر ہے۔ معلومات کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے جبکہ علم کا دائرہ سمٹ رہا ہے۔ اس کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینے، اس کے اسباب معلوم کرنے اور نئی نسل کو اس سلسلہ میں علمی و فکری راہنمائی مہیا کرنے کے مربوط نظام کی ضرورت ہے، مگر ہمارے دینی مدارس و مراکز اس پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں دے رہے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۶ جولائی ۲۰۲۰ء)

## مغرب کی فکری و ثقافتی یلغار

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے کچھ عرصہ قبل مغرب کی فکری و ثقافتی یلغار

کا نشانہ بننے والی نئی نسل کی فکری بے راہ روی کا رونا روتے ہوئے لکھا تھا کہ "ردة ولا أبابكر لها" ارتداد ہر طرف پھیل رہا ہے مگر روکنے کے لیے کوئی ابوبکرؓ موجود نہیں ہے۔ جبکہ آج کا المیہ یہ ہے کہ تکفیر و قتال کا فتنہ عالمِ اسلام کو لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے مگر وقت کے ضحاکوں کو سمجھانے کے لیے کوئی ابوحنیفہؒ سامنے نہیں آ رہا۔ فالی اللہ المشتکی۔..... (روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۷ فروری ۲۰۱۵ء)

## رجال کار کی تیاری کی ضرورت

.....اسلامی عقیدہ و ثقافت، نظام و قوانین اور اقدار و روایات پر آج کے مغربی فلسفہ و تہذیب کے حوالے سے جو اعتراضات سامنے آ رہے ہیں اور عالمی سطح پر اسلامی عقائد و قوانین کو جس طرح ہدف تنقید بنا کر خود مسلمانوں کی نئی نسل کو شکوک و شبہات میں مبتلا کیا جا رہا ہے، اس کا صحیح ادراک ابھی تک ہمارے مدارس کے ماحول میں موجود نہیں ہے اور اس فکری ارتداد کے سدباب کے لیے رجالِ کار کی تیاری ہمارے بنیادی اہداف میں شامل نہیں ہو پائی، جس کی طرف ہمارے شیخ محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے رسالہ "ردة ولا ابابكر لها" میں نصف صدی قبل علمی حلقوں کو توجہ دلائی تھی۔..... (روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۸ و ۱۹ ستمبر ۲۰۱۰ء)

.....آج صورتحال یہ ہے کہ فکری طور پر ہم خلفشار کا شکار ہیں۔ ہم پر مغرب کی فکری اور تہذیبی یلغار ہے۔ اس کی صحیح تعبیر وہ ہے جو ہمارے شیخ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے کی ہے کہ "ردة ولا ابابكر لها"۔ یہ فکری ارتداد کا زمانہ ہے۔ آپ ذرا محدود حلقے میں ہیں، اللہ آپ کے ایمان کو سلامت رکھے، لیکن اگر آپ جدید حلقے میں چلے جائیں، کسی کے ذہن کو ٹٹولیں تو احتراماً اور عقیدتاً یا فتوے کے ڈر سے تو وہ شاید کوئی بات نہ کہے لیکن جب آپ اس کی فکر کا تجزیہ کریں گے تو کہیں نہ کہیں ارتداد، ارتیاب اور شک کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہوگا۔ کسی نہ کسی حوالے سے وہ آج کی فکری ارتداد کی لہر سے متاثر ہوگا۔..... (۵ دسمبر ۲۰۰۳ء کو الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں خطاب)

# مدینہ منورہ کی حرمت و توقیر کا تقاضہ

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک مدینہ منورہ اسلامی ریاست کا دارالحکومت رہا ہے۔ جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد دارالحکومت کوفہ میں منتقل کر لیا تھا۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سوانح پر اپنی کتاب ''المرتضیٰؓ'' میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امیر المؤمنین نے کوفہ کو اپنی اقامت کے لئے اور عالمی خلافت اسلامیہ کا پایۂ تخت بنانے کے لیے کیوں منتخب کیا۔ یہ حیثیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک مدینہ منورہ کی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا صرف اس لئے کیا کہ مدینہ منورہ کو، جو اُن کا محبوب شہر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دارالہجرت اور مدفن مبارک تھا، اس کو داخلی جنگوں اور فوجی تنازعات سے دور اور الگ تھلگ رکھیں، کیونکہ اندرونی خلفشار شروع ہو چکا تھا اور حالات کے رخ سے پتہ چل رہا تھا کہ ایسا ہو گا۔ لہٰذا مسجد نبوی، حرم ثانی اور آرام گاہ رسول اکرمؐ کے ادب کا تقاضہ تھا کہ وہ کسی قسم کے فتنہ کا مرکز نہ بنے۔''

سوچنے کی بات ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو مدینہ منورہ کو باہمی تنازعات اور بے ادبی سے بچانے کے لیے دارالحکومت وہاں سے منتقل کر لیا تھا مگر ہم اپنے ملک کے گروہی جھگڑوں پر حرم نبویؐ میں ہلڑبازی کی روایت قائم کرنے پر آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

(۷ مئی ۲۰۲۲ء کو سوشل میڈیا پر ایک پوسٹ۔ منجانب: حافظ خزیمہ خان سواتی)

# حضرت احمد علی لاہوریؒ اور حضرت ابوالحسن علی ندویؒ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے جب ۱۹۱۷ء میں لاہور میں رہائش اختیار کی تو ان کی حیثیت ایک نظر بند کی تھی کیونکہ تحریک آزادی کے نامور راہ نما شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا شاگرد اور مفکر انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا تربیت یافتہ عالم دین اور رفیق کار ہونے کی وجہ سے انہیں اس ضمانت پر لاہور کی حدود میں پابند کر دیا گیا تھا کہ وہ انگریز سرکار کے خلاف سرگرمیوں میں شریک نہیں ہوں گے۔ ویسے بھی تحریک ریشمی رومال کی خفیہ تگ و دو کا راز کھل جانے کے باعث وقتی طور پر ایسی سرگرمیوں کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ نے اپنا رخ تعلیمی جدوجہد کی طرف موڑ لیا اور شیرانوالہ گیٹ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد میں قرآن کریم کا درس دینا شروع کیا جو ان کی نئی علمی و فکری محنت کا نقطۂ آغاز تھا اور پھر وہ ۱۹۶۲ء تک اسی راستے پر چلتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کے حضور پیش ہو گئے۔

حضرت لاہوریؒ کا یہ درس قرآن کریم عوام کے لیے ہوتا تھا لیکن وہ علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے ان کی سطح پر بھی درس قرآن کریم کا اہتمام کرتے تھے اور اس کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ و فکر، خاص طور پر ان کی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی تعلیم و تدریس بھی ان کے اس مشن کا حصہ تھا۔ ان سے اس دوران قدیم و جدید طبقات سے تعلق رکھنے والے ہزاروں ارباب علم نے استفادہ کیا جن میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، علامہ علاء الدین صدیقیؒ اور ڈاکٹر سید محمد عبداللہؒ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد – ۱۸ اکتوبر ۲۰۲۳ء)

# علامہ محمد اقبالؒ اور حضرت ندویؒ کے تحفظات

..... جناب عبد اللہ گل اور جناب رجب طیب اردگان کی قیادت میں ترکی کی موجودہ حکومت کی طرف سے سرکاری سطح پر احادیثِ نبویہؐ کے پورے ذخیرے کی از سرِ نو چھان بین اور تعبیر و تشریح کے اس عمل کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ترکی ریاست کا مذہب کے ساتھ رشتہ دوبارہ جوڑے جانے کا نقطۂ آغاز ہے اور اسی پہلو سے ہم اس کا خیر مقدم بھی کر رہے ہیں۔ لیکن مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ اور مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے دو تحفظات کا تذکرہ اس مرحلہ پر ضروری ہے۔

- علامہ محمد اقبالؒ نے ترکی کے گزشتہ صدی کے آغاز میں رونما ہونے والے ثقافتی انقلاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ترکی قوم بنیادی طور پر ایک عسکری قوم ہے جو مغربی ثقافتی یلغار کے مقابلے میں علمی اور اجتہادی صلاحیتوں کا اظہار نہ کر سکی اور اسے مغرب کے فکر و فلسفہ کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا۔
- جبکہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا کہنا ہے کہ ترکی کے علماء و مشائخ مغرب کی علمی، فکری اور ثقافتی یلغار کی اہمیت و سنگینی کا بروقت ادراک نہ کر سکے اور اس کے سدباب کے لیے اپنے اوقات فارغ نہ کر سکے جس کی وجہ سے یہ عظیم سانحہ رونما ہوا۔

ہمارے خیال میں یہ دو تحفظات آج بھی موجود و قائم ہیں اور ترکی کے علمی حلقوں کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کے علمی و فکری حلقوں کے لیے بھی لمحۂ فکریہ اور چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۱۹ مارچ ۲۰۰۸ء)

# مغربی فکر و فلسفہ کے بڑے ناقد

مولانا زاہد الراشدی سے ایک مجلس میں سوال ہوا کہ مغربی تہذیب کو سمجھنے کے لئے کون سی کتابوں کو پڑھنا چاہئے؟ انہوں نے کہا کہ جنوبی ایشیا کے ماحول میں مغربی تہذیب و فلسفہ کے تین بڑے اور سنجیدہ ناقد ہیں: (۱) علامہ محمد اقبالؒ (۲) مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور (۳) مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ ان تینوں نے مغربی تہذیب و فلسفہ پر سنجیدہ علمی و فکری نقد کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بھی بہت سے مسائل میں اہلِ علم کے اختلافات موجود ہیں، جو فطری امر ہے، مگر ان کو اسٹڈی کیے بغیر جنوبی ایشیا کے ماحول میں مغربی تہذیب و فلسفہ کی ماہیت، پس منظر اور نتائج کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ بالخصوص مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تصانیف سے استفادہ ضروری ہے، اور خود میں نے بھی مغربی تہذیب و فلسفہ سے جتنی کچھ آگاہی حاصل کی ہے اس کا اصل سرچشمہ استاذ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے، اللہ پاک ان کے فیض کو جاری و ساری رکھیں اور جنت میں اعلیٰ مقامات سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(از: مولانا حافظ خرم شہزاد، مدیر بزمِ شیخ الہندؒ گوجرانوالہ۔ ۱۸ اپریل ۲۰۲۴ء)

https://zahidrashdi.org/5095

# مغربی فکر و فلسفہ کی یلغار اور ادب و صحافت

.....قدیم دینی لٹریچر میں شعر و شاعری اور مقامہ و کہاوت کو تعلیم و تربیت کے ایک اہم ذریعے کی حیثیت حاصل رہی ہے مگر اب اس کا ذوق ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ آج کے دور میں اس کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے شیخ محترم مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلم معاشرے میں مغربی فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کی یلغار معاشرتی علوم اور ادب و صحافت کے راستوں سے ہوئی ہے، اس لیے اس کا راستہ روکنے کے لیے انہی علوم و فنون میں مہارت پیدا کرنا اور انہیں استعمال میں لانا ضروری ہے۔ جبکہ اس کی طرف ہمارے دینی تعلیمی نظام و نصاب کی منصوبہ سازی کرنے والوں کی سرے سے توجہ ہی نہیں ہے۔ ہم اگر اَدب کچھ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو وہ عصری تقاضوں اور معروضی ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتا، اور اس کی ضرورت کا دائرہ صرف یہ ہوتا ہے کہ قدیم دینی لٹریچر کے ساتھ تعلق قائم رہے اور ماضی سے ہمارا اَدبی تعلق منقطع نہ ہونے پائے۔ یہ بھی ہماری بڑی ضرورت ہے لیکن اس سے عصری ضروریات اور معروضی ماحول سے مطابقت کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اور سال ہا سال دینی مدارس میں تعلیم پا کر جب ایک فاضل عملی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو معاشرتی و ادبی فنون کے ماحول میں وہ اجنبی ہوتا ہے۔ جبکہ عصری ضروریات اس کے لیے صرف اجنبی نہیں ہوتیں بلکہ شجرِ ممنوعہ بن کر رہ جاتی ہیں۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲ دسمبر ۲۰۱۵ء)

.....میں نوجوان اہلِ علم سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مغرب کے لیے کام کرنے کے نمونے تو انہیں ہر طرف مل جائیں گے، مگر وہ مغرب پر کام کرنے کے راستے تلاش کریں اور اس کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر حمید اللہؒ کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں جس سے انہیں اعتماد و حوصلہ بھی ملے گا اور کام کے راستے بھی واضح دکھائی دیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۰ جون ۲۰۲۰ء)

# ترکی میں سیکولرازم کے غلبہ کے اسباب

..... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے خلافتِ عثمانیہ کے مرکز ترکی میں سیکولرازم کے غلبہ کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ علماء کرام اور صوفیاء عظام کو اجتماعی اور ملی ضروریات کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی اور ان کی گروہی مصروفیات نے ان کے اوقات اور توجہات کو اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ ملک وقوم اور امت وملت کے اجتماعی مسائل پر غور کرنے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں بچا تھا۔ آج ہماری صورتحال بھی اسی طرح کی ہے۔ امت کے دائرہ میں جو مشکلات و مسائل دن بدن سنگین ہوتے جارہے ہیں، ان پر غور و خوض کے لیے ہماری ترجیحات میں کوئی وقت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اہلِ سنت کو ملکی اور عالمی سطح پر درپیش چیلنجز کو سمجھنے کی کوشش بھی ہمارے ہاں تکلف اور ضیاعِ وقت سمجھی جانے لگی۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۴ ستمبر ۲۰۱۴ء)

.....خاندانی قوانین اور دیگر شرعی احکام کے حوالہ سے مغرب کے ساتھ ہماری جو فکری، علمی اور ثقافتی کشمکش ہے اس میں ہمارے علمی اور دینی حلقوں کا رول کیا ہے؟ اور ہم اس کشمکش کی نوعیت، اس کے دائرہ کار اور مغربی حلقوں کے طریق کار کو سمجھنے اور حالات کے تناظر اور تقاضوں کا صحیح طور پر ادراک حاصل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ مغرب اپنا کام تیزی کے ساتھ آگے بڑھا رہا ہے، اس کے ایجنڈے میں مسلسل پیشرفت کا عمل جاری ہے، اس کا نیٹ ورک مضبوط ہے اور اس کا طریق کار انتہائی سائنٹیفک اور مربوط ہے۔ مگر ہمارے کیمپ میں (چند شخصیات کے استثنا کے ساتھ) جذباتی نعروں، سطحی معلومات اور فرسودہ دفاعی ہتھکنڈوں کے سوا کیا ہے؟ ہمارے ہاں تو اس کے بارے میں سوچنے کو بھی وقت کا ضیاع تصور کیا جاتا ہے، اور اس طرف توجہ دلانے والے چند سر پھرے لوگ ہمارے حلقوں میں بے وقوف سمجھے جاتے ہیں۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے کسی جگہ لکھا ہے کہ ترکی میں سیکولرازم کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کے علماء اور مشائخ کے پاس

ان کاموں کے لیے وقت نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان باتوں کی کوئی اہمیت سمجھتے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ شاید ہم نے بھی ترکی کے علماء و مشائخ کی طرح خدانخواستہ ایک نئے اتاترک کو راستہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۶ء)

..... ترکی نے خلافت عثمانیہ کے عنوان سے صدیوں عالم اسلام کی قیادت کی ہے اور اسلام کی سربلندی کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرہ میں اس کی ترویج و تنفیذ کے لیے شاندار کردار ادا کیا ہے، اس لیے خلافت اور دینی تعلیمات سے ریاستی سطح پر ترکی کی دستبرداری پر دنیائے اسلام میں عمومی طور پر دل گرفتگی اور صدمہ کا اظہار کیا گیا تھا اور اب تک کیا جا رہا ہے۔ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ نے ترکی کے اس فکری و ثقافتی انقلاب کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے اسباب میں اپنے اس تاثر کا اظہار کیا تھا کہ ترکی قوم اپنے مزاج کے حوالے سے عسکری قوم ہے جو مغربی ثقافت اور اسلام کے درمیان علمی و ثقافتی کشمکش میں علمی و اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لا سکی جس کی وجہ سے وہ مغرب کی ثقافت و فلسفہ کا علمی و فکری میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے پسپائی پر مجبور ہو گئی۔ جبکہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ ترکی کے علماء و مشائخ اس ''غزو فکری'' کی اہمیت کا احساس نہ کر سکے اور اس کی طرف ضروری توجہ دینے کے لیے اپنے اوقات کو فارغ نہ کر سکے جس کی وجہ سے یہ عظیم سانحہ رونما ہوا۔

(ترکی میں احادیث کی نئی تعبیر و تشریح: علمی شخصیات و مراکز کے نام مکتوب۔ ۱۲ مارچ ۲۰۰۸ء)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے خلافتِ عثمانیہ کے مرکز ترکی میں سیکولرازم کے غلبہ کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ذکر کیا ہے کہ علماء اور صوفیاء کی گروہی مصروفیات نے ان کے اوقات اور توجہات کو اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ ملک و ملت کے اجتماعی مسائل پر غور کرنے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں بچا تھا۔

(ٹویٹ ۲۷/ اگست ۲۰۲۱ء)

# ان مسائل پر غور کون کرے؟

..... ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ جدید مسائل کا ادراک و شعور اور ان کے حل کا جذبہ رکھنے والے اربابِ علم و دانش کو روایتی حلقوں کے اندر ہی اپنی جگہ تلاش کرنی چاہیے، اور انہی کو محنت اور تگ و دو کے ساتھ اس کام کے لیے تیار کرنے میں اپنی صلاحیتیں صَرف کرنی چاہئیں، کیونکہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب محترم نے جن مسائل کو توجہ طلب قرار دیا ہے، ان کے حل کا محفوظ اور صحیح راستہ یہی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس فکر انگیز مضمون پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا یہ تبصرہ زیادہ مناسب ہے اور اسی پر اپنی معروضات ختم کر رہا ہوں کہ:

> ”مضمون فکر انگیز اور پر مغز ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس طریق فکر سے سو فی صد اتفاق ہو۔ بڑے اہم سوالات ہیں جن کو زیادہ دنوں تک نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ان کو نظر انداز کرنے کی اس عالم اسباب میں اکثر وہی سزا ملتی ہے جو متعدّد آزاد ہونے والے ممالک اور مسلم معاشروں میں اس دور میں ملی ہے..... لیکن سوال یہ ہے کہ ان مسائل پر کون غور کرے؟ یا وہ لوگ ہیں جو اس کے اہل نہیں ہیں، اور جو اہل ہیں ان کو ترکی کے پچھلے دور کے علماء کی طرح اپنی دوسری مصروفیتوں سے فرصت نہیں۔“ (بحوالہ ”اسلام، معاشیات اور ادب“ ص ۵۷، ۵۸ از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی)

# دینی مدارس کیلئے حکومتی امداد کا معاملہ

.....اس سلسلے میں دینی مدارس کس قدر حساس ہیں؟ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۶۶ء میں جب دیوبند کے قصبہ میں پہلی دینی درس گاہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے جنوبی ایشیا کی علمی و دینی جدوجہد کا عنوان بنا، تو اس کے اساسی اصولوں میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے یہ بات ہمیشہ کے لیے لکھ دی کہ اس کے اخراجات عام مسلمانوں کے رضاکارانہ مالی تعاون کے ذریعے سے ہی پورے کیے جائیں گے اور اس کے لیے کسی حکومت یا ریاست سے کوئی مستقل امداد قبول نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ ایک سو چالیس سال کے لگ بھگ عرصہ گزر چکا ہے کہ دارالعلوم نے بڑی بڑی پیشکشوں کے باوجود آج تک کسی حکومت کی گرانٹ قبول نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہ دینی ادارے پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دینی و ملی مقاصد کے لیے مصروف عمل ہے۔

اسی طرح اس خطے کے ایک دوسرے بڑے علمی و فکری ادارے ''ندوۃ العلماء لکھنو'' کا ایک واقعہ بھی خاصا فکر انگیز اور بصیرت افروز ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب ''پرانے چراغ'' میں مولانا مسعود عالم ندویؒ کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے بعد جب مولانا ابو الکلام آزادؒ بھارت کے وزیر تعلیم بنے تو انہوں نے حکومت کی سرپرستی میں ایک معیاری عربی درس گاہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے ندوۃ العلماء کا انتخاب کیا کہ حکومت اسے اپنی سرپرستی میں ایک جدید معیاری عربی تعلیمی ادارے کی شکل دے کر ملک بھر کے دیگر اداروں کے لیے مثال بنائے گی۔ اس مقصد کے لیے ندوۃ العلماء لکھنو کو پیشکش کی گئی کہ اگر ندوہ اس کردار کو قبول کر لے تو حکومت اس کی عمارتوں کی تکمیل کرا دے گی اور اخراجات میں سرپرستی کرے گی۔ مولانا سید ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں کہ ندوہ والے اس پیشکش پر الجھن میں پڑ گئے۔

ایک طرف مولانا آزاد کی شخصیت تھی جو بھارتی مسلمانوں کے قومی لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ وفاقی وزیر تعلیم بھی تھے، ندوۃ العلماء لکھنو کے قدیمی معاونین اور سرپرستوں میں سے تھے، اور ایک عرصہ سے ندوہ کی انتظامیہ اور شوریٰ کا حصہ چلے آرہے تھے۔ اور دوسری طرف یہ بات پیش نظر تھی کہ سرکاری سرپرستی قبول کر کے ندوہ اپنا تشخص کھودے گا اور وہ مختلف ملی و دینی شعبوں میں جو خدمات سرانجام دے رہا ہے، ان سے محروم ہو جائے گا۔ اس لیے یہ پیشکش قبول کرنا ندوہ والوں کے لیے بے حد مشکل بات تھی، چنانچہ اس مقصد کے لیے مولانا مسعود عالم ندویؒ کا انتخاب ہوا کہ وہ مولانا آزاد سے مل کر بات کریں۔ مولانا ندوی دہلی گئے، مولانا آزاد سے ملے اور ان سے جو بات کی، اس کا خلاصہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے قلم سے ملاحظہ فرمالیجئے:

''مولانا ابوالکلام آزاد نے ملاقات کے لیے آنے پر مولانا مسعود عالم ندویؒ کو فوراً بلا لیا اور اپنے معمول کے مطابق کہا کہ مولانا مسعود کیسے آئے؟ (مولانا مسعودؒ) کہنے لگے کہ کچھ بزرگوں کے لوح مزار کی عبارت کے بارے میں غور و خوض ہو رہا ہے۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ کے لوح مزار پر بانی ندوۃ العلماء لکھنا تجویز ہوا ہے۔ اسی طرح مولانا شبلی نعمانیؒ کی لوح مزار کی کوئی عبارت بتائی جس سے ان کی ندوۃ العلماء کی تحریک کو ترقی دینے کا اظہار ہوتا تھا۔ کہنے لگے کہ اندیشہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے لوح مزار پر ''قاتل ندوۃ العلماء'' لکھا جائے گا۔ مولانا آزاد نے بڑے استعجاب سے پوچھا کہ کیوں؟ معاملہ کیا ہے؟ کہنے لگے کہ آپ نے جو تجویز پیش کی ہے، اس کا مآل تو یہی ہے کہ ندوۃ العلماء تو ختم ہو جائے اور ہم اور آپ اس کے قاتل ٹھہریں۔ آج تو آپ منصب وزارت پر ہیں اور آپ کی موجودگی میں اس کا خطرہ نہیں، لیکن آئندہ کون آتا ہے اور کیا ہوتا ہے؟ مولانا کی شہرہ آفاق ذہانت کے لیے اتنا اشارہ کافی تھا۔ وہ دور تک بات کو سمجھ گئے اور فرمایا کہ آپ لوگوں کا فیصلہ صحیح ہے اور اس تجویز پر کوئی اصرار نہ کیا۔''

.....

(روزنامہ پاکستان، لاہور-۲۶ اگست ۲۰۰۳ء)

# چٹائیوں اور تپائیوں پر دین کی محنت اور آج کے تقاضے

.....ایک دور میں ہماری یہ ضرورت تھی کہ دین وعلم کی محنت کو نچلی سطح پر لایا جائے تاکہ انہیں زمانہ کی دستبرد سے بچایا جا سکے، اور اگلی نسلوں تک پہنچنے کے لیے دین وعلم کی حفاظت کی جا سکے۔ یہ جبر کا دور تھا اور دینی علوم وروایات کے خلاف برطانوی استعمار کی یلغار کا دور تھا جس میں دین وعلم کی حفاظت اور ضرورت کے لیے ہمارے اکابر اس کی محنت کو انتہائی نچلی سطح پر لے گئے تاکہ اسے خطرہ نہ سمجھا جائے۔ اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول ہمارے بزرگوں نے دین وعلم کی محنت کو چٹائیوں اور تپائیوں تک محدود کر کے اسے کیموفلاج کر دیا اور راڈار کی رینج سے نیچے لے گئے جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ مگر آج کا دور اس سے مختلف ہے، آج دین وعلم کی اس محنت کو نچلے طبقوں میں بدستور جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کے بالائی طبقات تک لے جانے کی بھی ضرورت ہے اور ان طبقوں کو علم و دین کے ساتھ مانوس کرنے کی ضرورت ہے جو ملک میں حکمرانی کر رہے ہیں لیکن دین اور دینی علم سے بے بہرہ ہیں۔ اگر ہم ان طبقات کو دین اور اس کے علوم کے ساتھ مانوس کر سکیں تو یہ اسلام کی بڑی خدمت ہوگی اور وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہوگی۔ ظاہر بات ہے کہ ان لوگوں تک دین کی بات اور علم پہنچانے کے لیے ان کے پاس اسی سطح پر جانا ضروری ہے جہاں وہ بات سننے کے عادی ہیں۔.....

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ جولائی ۲۰۱۲ء)

.....خانقاہ یاسین زئی میں حاضری کی حسرت رہی ہے جواب بڑھ گئی ہے جبکہ حضرت مولانا سید محمد محسن شاہؒ کی زیارت وملاقات کا وہی موقع ذہن میں محفوظ ہے جس کا تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے ساتھ جامعہ حلیمیہ میں ایک بار حاضری کے حوالہ سے کر چکا ہوں۔ جماعتی پروگراموں میں اور ملاقاتیں بھی ہوئی ہوں گی مگر یاد صرف وہی ہے۔ البتہ جامعہ حلیمیہ کی تعلیمی خدمات اور خانقاہ یاسین زئی کے روحانی فیوض مختلف احباب کے ذریعہ اور متعدّد فضلاء کی صورت میں معلوم ہوتے رہتے ہیں

اور اس مرکز علوم وفیوض کے لیے مسلسل دعاگو رہتا ہوں۔

ہمارے ان اکابر نے اس دور میں، جب آج جیسی سہولتیں اور وسائل تصور میں بھی نہیں آسکتی تھیں، دینی علوم اور روحانی فیوض کے فروغ کے لیے دینی مدارس اور خانقاہوں کی صورت میں جو صبر آزما محنت کی ہے وہ یقیناً ان حضرات کی کرامت شمار ہوگی جو اسلام کی صداقت وعظمت کا اظہار ہے۔ خاص طور پر برطانوی استعمار کے دور استبداد میں جب وہ جنوبی ایشیا میں اسلام کی ہر علامت کو ختم کر دینے کے درپے تھا، ان بزرگوں نے اپنے وجود کو مٹا کر اسلام کی عظمت کا پرچم سربلند رکھا۔ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول زمانے کی نگاہوں سے اپنی محنت اور جدوجہد کو اوجھل رکھنے کے لیے وہ چٹائیوں اور تپائیوں پر آگئے بلکہ زمین پر بچھ گئے اور اس وقت تک 'کیمو فلاج'' رہے جب تک دنیا کی سازشوں کا سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں آگئے۔

آج کا عالمی استعمار ان مدارس اور خانقاہوں کا سامنا کرنے میں خود کو بے بس محسوس کر رہا ہے اور اس پر اس کی جھنجھناہٹ اب جھلاہٹ میں بدلتی جا رہی ہے کہ وہ نہ تو ان مدارس اور خانقاہوں کو ختم کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے، نہ ہی ان پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش میں اسے کامیابی ہو رہی ہے، اور نہ ہی ان کا رخ تبدیل کرنے کے لیے اس کی کوئی سازش کامیاب ہو رہی ہے۔ یہ یقیناً حضرت مولانا سید محمد محسن شاہؒ اور ان جیسے دیگر بزرگوں کے خلوص و محنت پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلہ و ثمرہ ہے جس سے نہ صرف اس خطہ کے لوگ بلکہ دنیا بھر کے مسلمان بالواسطہ یا بلاواسطہ فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ - ستمبر ۲۰۱۴ء)

# اسلام کا اجتماعی نظام اور اکابر کی تصنیفات

.....ان معروضات کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ علمی و فکری خدمات کا تنوع بھی ہم سے دور ہوتا جا رہا ہے، مولانا سید محمد میاںؒ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس میں ان کے معاصرین بالخصوص مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمان سیہارویؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ، چودھری افضل حق مرحوم اور دیگر اکابر کی تصنیفات کے موضوعات کی فہرست بنا کر ان کا تنوع دیکھ لیں کہ اسلام کے اجتماعی نظام کا کون سا شعبہ ان کی جولانگاہ نہیں بنا؟

ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے اپنے فکر اور علمی دائروں میں اردگرد چاروں طرف لکیریں کھینچے چلہ کی کیفیت میں مسلسل بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی دوسرے دائرہ کی طرف دیکھنا بھی ہم نے خود پر ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ ان دائروں کی اہمیت سے انکار نہیں مگر یہ پہچان اور امتیاز کے لیے ہیں، یہ افادہ اور استفادہ کی ممانعت کے دائرے نہیں ہیں، ہمیں اپنے بزرگوں سے یہ سبق بھی حاصل کرنا چاہیے۔

(روزنامہ اسلام، لاہور – ۸ جنوری ۲۰۱۹ء)

# رفقائے کار اور معتقدین

# حضرت مولانا سید مظفر حسین ندویؒ

..... حضرت مولانا سید مظفر حسین ندوی آزاد کشمیر کے بزرگ علماء کرام میں سے ہیں، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فاضل ہیں اور کچھ عرصہ وہاں استاد بھی رہے ہیں، ضلع باغ سے ان کا تعلق ہے۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ۱۹۴۴ء میں امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کے حالاتِ زندگی اور مجاہدانہ خدمات پر کتاب کی تحریر کے سلسلہ میں ان کے مقامِ شہادت بالاکوٹ میں آئے تو دو ہفتے تک مولانا سید مظفر حسین ندوی کے ہاں قیام کیا اور اس سفر میں وہ ان کے ساتھ رہے۔ سید بشیر حسین جعفری صاحب مولانا سید مظفر حسین ندوی کے چھوٹے بھائی ہیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس سفر میں وہ بھی ان کے ساتھ شریک اور معاون رہے ہیں۔ حضرت مولانا سید مظفر حسین ندوی کافی عرصہ تک حکومتِ آزاد کشمیر میں امورِ دینیہ کے ڈائریکٹر کے منصب پر فائز رہے۔ اب مظفر آباد میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں اور بیمار ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صحتِ کاملہ سے نوازیں آمین۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۲۰ جولائی ۲۰۰۱ء)

# حضرت مولانا سید رابع حسنی ندویؒ

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سربراہ حضرت مولانا سید رابع حسنی ندویؒ کی وفات ہم سب کیلئے صدمہ کا باعث ہے، انہوں نے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد ان کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے برصغیر کے مسلمانوں کی بھرپور رہنمائی فرمائی۔

(ٹویٹ ۱۵ اپریل ۲۰۲۳ء)

# مولانا سید سلمان حسینی ندوی

سیرین ایئرلائنز سے سفر کا پہلا تجربہ تھا۔ یہ ان سستی ایئرلائنوں میں سے ہے جو میرے جیسے سفید پوش مسافروں کی کئی کمزوریاں ڈھانپ لیتی ہیں۔ چھ جون کو صبح پانچ بجے کراچی سے سوار ہوا اور دہران، دمشق اور میونخ کے ہوائی اڈوں پر دو دو تین تین گھنٹے سٹاپ کرتا ہوا شام سات بجے (پاکستانی گیارہ بجے) ہیتھرو ایئرپورٹ سے امیگریشن کے مراحل سے گزر کر لندن میں داخل ہو گیا۔ گکھڑ سے تعلق رکھنے والے عابد رانا میرے اولین میزبان تھے جو ایئرپورٹ سے دو تین میل کے فاصلے پر ہیسٹن کے علاقے میں رہائش پذیر ہیں۔ انہوں نے مجھے ایئرپورٹ سے وصول کیا، گھر پہنچے، عصر کی نماز ادا کی، کھانا کھایا اور میں نے عابد رانا سے کہا کہ اٹھارہ گھنٹے کے مسلسل سفر کے باعث سخت تھکاوٹ ہے، اس لیے کل کا دن صرف آرام کروں گا اور وہ کسی دوست کو ابھی میری آمد کی اطلاع نہ دیں۔

## مولانا سید سلمان ندوی سے پہلی ملاقات

مگر مغرب اور عشاء کی نماز تو بہرحال پڑھنا تھی جو اِن دنوں لندن میں سوا نو بجے اور پونے گیارہ بجے کے لگ بھگ ہو رہی ہیں۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے ساؤتھ آل براڈوے پر ابوبکر اسلامک سنٹر میں گئے تو پرانے دوست محمد اشرف خان اور عبدالستار شاہد سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خبر دی کہ لکھنؤ سے ندوۃ العلماء کے استاد حدیث مولانا سید سلمان حسینی صبح چھ بجے ہیتھرو ایئرپورٹ پر آ رہے ہیں اور ساتھ ہی ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری کا یہ پیغام سنا دیا جو میرے لیے تھا کہ وہ خود صبح ایک ہفتہ کے لیے مصر جا رہے ہیں اس لیے مولانا سید سلمان حسینی کے ساتھ دو چار دن مجھے رہنا ہو گا۔ منصوری صاحب کا یہ پیغام نہ ہوتا تو بھی میرے لیے سلمان صاحب کی آمد کی خبر بے حد خوشی کا باعث تھی اور میں ایک عرصہ سے ان کی ملاقات کا خواہشمند تھا جس کا کوئی موقع ہی نہیں بن رہا تھا، اس لیے آرام و آرام کا سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا اور میں صبح چھ بجے مولانا سید سلمان حسینی ندوی کو خوش آمدید کہنے کے لیے پھر ہیتھرو ایئرپورٹ پر تھا۔

## حضرت سید ابوالحسن علی ندوی کے نواسے اور دستِ راست

مولانا سید سلمان حسینی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سربراہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نواسے لگتے ہیں اور ندوہ میں ان کے دستِ راست ہیں۔ حدیثِ نبویؐ کے متخصّص استاد ہیں، محقق عالم ہیں، متعدّد کتابوں کے مصنف ہیں، اور سب سے بڑھ کر ندوہ کی مخصوص علمی اور متوازن سوچ اور فکر کے ترجمان ہیں، اردو اور عربی تو ان کے گھر کی زبان ہے اور انگلش پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ ان سے غائبانہ تعارف ایک عرصہ سے تھا، خط و کتابت بھی رہی ہے، مگر ملاقات کا کوئی موقع پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ اب جو ملاقات ہوئی تو فکری ہم آہنگی کے ساتھ مزاج کی ہم آہنگی کے احساس نے مزہ دوآتشہ کر دیا۔ انہیں لینے کے لیے جامعۃ الہدیٰ نوٹنگھم کے پرنسپل مولانا رضا الحق سیاکھوی اپنے ایک رفیق مولانا محمد لقمان کے ہمراہ آئے ہوئے تھے، جبکہ سلمان صاحب کے ساتھ ان کے رفیقِ سفر ندوہ کے ایک اور استاد مولانا نذیر احمد تھے۔ ان کے ساتھ میرا پروگرام بھی نوٹنگھم جانے کا بن گیا اور ہم ایک دوسرے کا حال پوچھتے اور گپ شپ کرتے ہوئے دو گھنٹے میں جامعۃ الہدیٰ نوٹنگھم جا پہنچے۔

## علی گڑھ، دیوبند اور ندوہ کا تاریخی کردار

برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد ملتِ اسلامیہ کو سنبھالا دینے اور مسلمانوں کے تشخص کو برقرار رکھنے، نیز اسلامی علوم و روایات اور تہذیب و ثقافت کے تحفظ میں (۱) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور (۲) دارالعلوم دیوبند کے ساتھ جو تیسرا بڑا نام تاریخ کے ایک مستقل باب کا عنوان ہے وہ (۳) ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ہے۔ جو محض ادارہ نہیں، بلکہ ایک علمی اور فکری تحریک تھی جس نے

- ایک طرف ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کے بہت بڑے ذخیرے کو اردو میں منتقل کر کے مسلمانوں کا تعلق اپنے شاندار ماضی کے ساتھ قائم رکھا،
- اور دوسری طرف عربی ادب و زبان کے اعلیٰ معیار کو سنبھالتے ہوئے برصغیر کے دینی حلقوں کا رشتہ عرب دنیا کی علمی تحریکات کے ساتھ جوڑے رکھا۔

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ، ڈاکٹر عبد العلی حسنیؒ اور مولانا سید سلمان ندویؒ کی

سربراہی میں اس علمی و فکری تحریک نے عروج حاصل کیا، اور ان کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے علم و فکر اور جہد و عمل نے اسے برصغیر کے دائرے سے نکال کر عالمی تحریک کی شکل دے دی۔ ان کے قریبی رفقاء میں مولانا سید محمد رابع ندوی اور مولانا سید سلمان حسینی ان کے دست و بازو سمجھے جاتے ہیں اور ندوہ کی تحریک کو آگے بڑھانے میں شب و روز مصروفِ عمل ہیں۔

## ندوۃ العلماء لکھنؤ کی موجودہ سرگرمیاں

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے موجودہ حالات کے بارے میں سلمان صاحب نے بتایا کہ اس وقت اس کے مختلف شعبوں میں بائیس سو کے لگ بھگ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جو ندوہ میں مقیم ہیں اور ان کے اخراجات ندوہ کے ذمہ ہیں۔ ندوہ کے نصاب کی بنیاد درسِ نظامی پر ہے لیکن اس میں عربی ادب و زبان کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، اور ماضی کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ملتِ اسلامیہ کی موجودہ عالمی صورتحال اور علمی و فکری تحریکات سے بھی طلبہ کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ انگلش بھی نصاب میں شامل ہے اور دعوت و ارشاد، فقہ اور اصولِ دین میں تخصص کے شعبے قائم ہیں۔ ندوہ کی آخری سند کو ملک کی دیگر یونیورسٹیوں میں ایم اے کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے اور جامعہ الازہر اور مدینہ یونیورسٹی بھی اس سند کو تسلیم کرتی ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں ندوہ کی بہت سی شاخیں اور اس سے منسلک ادارے کام کر رہے ہیں، جن سے استفادہ کرنے والوں کی مجموعی تعداد کا اندازہ کیا جائے تو گراف تیس چالیس ہزار کے درمیان تک جا پہنچتا ہے۔

مولانا سید سلمان حسینی ندوہ کے کاموں میں شریک ہونے کے علاوہ ”جمعیت الشباب الاسلامی“ کے نام سے نوجوانوں میں ایک الگ تحریک بھی قائم کیے ہوئے ہیں جس کے تحت ”جامعہ سید احمد شہید“ کے عنوان سے ایک بڑا تعلیمی ادارہ کام کا آغاز کر چکا ہے اور مختلف سکول خدمات سرانجام دے رہے ہیں، جن میں مروجہ سرکاری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور ٹیکنیکل تعلیم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ طلبہ الیکٹریشن، ویلڈنگ اور کمپیوٹنگ کے شعبوں میں تربیت حاصل کرتے ہیں اور اسی نظم کے تحت انہوں نے ندوۃ العلماء میں بھی ”کمپیوٹر سنٹر“ قائم کیا ہوا ہے جہاں ندوہ کے طلبہ کمپیوٹنگ کی ٹریننگ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مختلف علاقوں میں وقتاً فوقتاً نوجوانوں کے کیمپ لگاتے ہیں جو عموماً چوبیس گھنٹے کے ہوتے ہیں۔ ان کیمپوں میں قرآن و حدیث کے درس اور دینی ضروریات پر

مشتمل لیکچروں کے ساتھ ساتھ کھیل اور تفریح کے پروگرام بھی ہوتے ہیں اور نوجوانوں کی بڑی تعداد ان میں شریک ہوتی ہے۔

## حضرت مولانا سلمان صاحب کا خصوصی ذوق

سلمان صاحب کا جو ذوق مجھے سب سے زیادہ بھلا لگا وہ مختلف مکاتبِ فکر کی شخصیات اور اداروں کے ساتھ روابط استوار رکھنے اور ان کے فکر و تجربہ سے استفادہ کرنے کا ہے۔ چنانچہ جب ہم نو ٹنگھم پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے علاقہ میں مختلف مکاتبِ فکر کے دینی اداروں کی فہرست طلب کی اور وہاں جانے کے پروگرام کی فرمائش کی، جو ترتیب دے دیا گیا۔ اور اب تک دو روز میں جن اداروں میں ہم جا چکے ہیں ان میں بریلوی مکتبِ فکر کا جامعۃ الکرم اور مسلم ہینڈز، اور دیوبندی مکتبِ فکر کا جامعہ اسلامیہ شامل ہیں، جبکہ آج برمنگھم میں جمعیت اہلحدیث کے مرکز میں جانے کا پروگرام ہے اور اس کے بعد جماعتِ اسلامی کی اسلامک فاؤنڈیشن میں جانے کا ارادہ ہے۔

جامعۃ الہدیٰ نو ٹنگھم تو سلمان صاحب کا اپنا گھر ہے جو ندوہ کی طرز پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سرپرستی میں مولانا سید سلمان حسینی کی مشاورت کے ساتھ تعلیمی کام کا آغاز کر چکا ہے اور اسی رخ پر آگے بڑھنے کا عزم رکھتا ہے۔ خدا کرے کہ علم و فکر اور توازن و اعتدال کا ذوق ہر مسلمان کا ذوق بنے کیونکہ ملتِ اسلامیہ کے بہتر مستقبل اور عظمت رفتہ کی واپسی کی شاہراہ کا سنگِ میل یہی ہے۔

(دی نیشن، لندن۔ یکم جولائی ۱۹۹۸ء)

## ڈھاکہ میں ”سید ابوالحسن علی ندویؒ ایجوکیشن سنٹر“

جنوری ۲۰۰۴ء کا پہلا عشرہ مجھے بنگلہ دیش میں گزارنے کا موقع ملا۔ میر پور ڈھاکہ میں مدرسہ دار الرشاد کے مہتمم مولانا محمد سلمان ندوی کا تقاضا تھا کہ وہ ”سید ابوالحسن علی ندویؒ ایجوکیشن سنٹر‘ کے نام سے ایک نئے تعلیمی شعبے کا آغاز کر رہے ہیں جس کی افتتاحی تقریب یکم جنوری کو رکھی گئی ہے اور اس موقع پر ”عصر حاضر میں دینی مدارس کی ذمہ داریاں“ کے عنوان سے مسجد بیت المکرم ڈھاکہ میں سیمینار کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، اس لیے مجھے اس میں ضرور شریک ہونا چاہیے۔ مولانا سلمان ندوی سے اس سے قبل میرا تعارف نہیں تھا، البتہ انہوں نے میرے بہت سے مضامین پڑھ رکھے تھے اور

دینی مدارس کے نصاب و نظام کے حوالہ سے بنگلہ زبان میں انہوں نے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جس میں اکابر علمائے کرام کے مقالات کے ساتھ ساتھ میرے ایک دو مضامین کا ترجمہ بھی شامل ہے اور ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری کے بعض مضامین بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ مجھے دعوت مولانا منصوری کی وساطت سے ملی جس میں ان کا اصرار بھی شامل تھا۔ ان دنوں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں اسباق کا آغاز ہو چکا تھا اور میرے لیے ہفتہ دس دن کی غیر حاضری بہت مشکل تھی لیکن مولانا منصوری کا اصرار غالب آیا اور میں نے سفر کا پروگرام بنا لیا۔.....

۳۱ دسمبر کو صبح آٹھ بجے طیارے نے ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اترنا تھا مگر دھند اس قدر شدید تھی کہ الامارات کا طیارہ کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ تک فضا میں چکر کاٹتا رہا اور بالآخر پائلٹ کو اعلان کرنا پڑا کہ اگر مزید پندرہ بیس منٹ تک اسے ڈھاکہ میں اترنے کا راستہ صاف نہ ملا تو مجبوراً طیارے کو کلکتہ ایئرپورٹ پر اتارنا پڑے گا مگر ایسا نہ ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد طیارہ ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی الامارات کی ایک اور فلائیٹ ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اتری جس میں لندن سے مولانا محمد عیسیٰ منصوری، مولانا محمد فاروق ملا اور مولانا مشفق الدین تشریف لائے۔ مولانا محمد عیسیٰ منصوری ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین ہیں اور ہمارے قارئین ان سے اچھی طرح متعارف ہیں۔ مولانا محمد فاروق ملا کا تعلق گجرات انڈیا سے ہے اور برطانیہ کے شہر لیسٹر میں دارالارقم کے نام سے ایک تعلیمی ادارے کے ڈائریکٹر ہیں جبکہ مولانا مشفق الدین بنگلہ دیش سلہٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور وائٹ چیپل لندن میں ابراہیم کمیونٹی کالج کے نام سے ایک تعلیمی اور رفاہی ادارہ کے منتظم ہیں۔ ایئرپورٹ پر ہم چاروں اکٹھے ہو گئے اور امیگریشن سے فارغ ہو کر مولانا سلمان صاحب کے ہمراہ، جو استقبال کے لیے ایئرپورٹ پر موجود تھے، ان کے مدرسہ دار الرشاد میرپور میں پہنچ گئے۔ اگلے روز ”سید ابوالحسن علی ندویؒ ایجوکیشن سنٹر“ کا افتتاح تھا جس کے لیے بھارت سے دار العلوم دیوبند کے مفتی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شریعت فیکلٹی کے سربراہ مولانا سید محمد سلمان حسینی ندوی بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔

شام کو مدرسہ دار الرشاد کی مسجد کے ہال میں مولانا سلمان حسینی نے علماء کرام اور دینی حلقوں کی ذمہ داریوں پر مفصل خطاب کیا اور یکم جنوری ۲۰۰۴ کو صبح نماز فجر کے بعد ”سید ابوالحسن علی ندویؒ

ایجوکیشن سنٹر'' میں علماء کرام کی کلاس کو حجۃ اللہ البالغہ کا پہلا سبق پڑھا کر اس کی تعلیمی سرگرمیوں کا افتتاح کیا۔ اس سنٹر میں درس نظامی کے فضلاء کے لیے دو سالہ کورس رکھا گیا ہے جس میں انہیں انگلش، بنگلہ، عربی اور اردو زبانوں کے علاوہ مقارنۃ الادیان، مغربی فکر و فلسفہ، کمپیوٹر اور دیگر ضروری مضامین کی تعلیم دی جائے گی۔.....

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ مارچ ۲۰۰۴ء)

## جامعہ سید احمد شہیدؒ لکھنؤ کا بین الاقوامی سیمینار

۳، ۴، ۵ فروری ۲۰۰۷ء کو جامعہ سید احمد شہیدؒ لکھنؤ (انڈیا) میں برصغیر کے دینی نصاب و نظام کے حوالے سے منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار کے موقع پر الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ (پاکستان) میں اس سیمینار کے ساتھ ہم آہنگی کے لیے ایک فکری نشست کا اہتمام کیا گیا۔ یہ نشست ممتاز ماہرِ تعلیم پروفیسر غلام رسول عدیم کی زیر صدارت ۳ فروری ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ رات آٹھ بجے الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں منعقد ہوئی، جس میں الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے ڈائریکٹر ابو عمار زاہد الراشدی (راقم الحروف) کے علاوہ اکادمی کے ناظم مولانا حافظ محمد یوسف، جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کے ناظم مولانا ضیاء الرحمٰن، گورنمنٹ کالج قلعہ دیدار سنگھ کے پروفیسر محمد اکرم ورک، گوجرانوالہ بار ایسوسی ایشن کے سینئر رکن چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ، پروفیسر محمد زمان چیمہ اور دیگر حضرات نے خطاب کیا۔..... مقررین اور شرکاء نے جنوبی ایشیا میں مدارس کے کردار کو سراہتے ہوئے فکری و نظری بیداری کے لیے ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمات کو بطور خاص خراجِ تحسین پیش کیا، اور جامعہ سید احمد شہیدؒ لکھنؤ کے سربراہ مولانا سید سلمان الحسینی کی دینی و تعلیمی مساعی کی تحسین کرتے ہوئے ۳، ۴، ۵ فروری کو منعقد ہونے والے بین الاقوامی تعلیمی سیمینار کے ساتھ ہم آہنگی کے اظہار کے علاوہ اس کی کامیابی کے لیے دعا کی۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۷ فروری ۲۰۰۷ء)

## مولانا سید سلمان ندوی کی پاکستان آمد

.....مجھے گوجرانوالہ سے ہفتہ کے روز اسباق کے بعد کراچی کے لیے روانہ ہونا تھا اور ابھی روانگی کی تیاری کر رہا تھا کہ فون پر اچانک اطلاع ملی کہ لکھنؤ سے ہمارے فاضل دوست اور بزرگ مولانا سید سلمان الحسینی الندوی لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں اور مخدوم المکرم مولانا سید نفیس شاہ مدظلہ العالی کی خانقاہ سید احمد شہید میں قیام پذیر ہیں۔ مولانا سلمان ندوی ورلڈ اسلامک فورم کے سرپرستوں میں سے ہیں اور علمی و فکری رہنمائی میں ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نواسے لگتے ہیں اور علمی دنیا بالخصوص عالمِ عرب میں بڑی خوبی کے ساتھ ندوہ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کے معالج ڈاکٹر فضل الرحمان اور خادم خصوصی حاجی میر محمد لقمان اس روز حج کے لیے روانہ ہو رہے تھے اور لاہور سے کراچی کے لیے ان کی فلائٹ وہی تھی جس پر میں نے سفر کرنا تھا۔ اس لیے اس حسنِ اتفاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے لاہور ایئرپورٹ تک اکٹھے جانے کا پروگرام بنا لیا اور پاکستان شریعت کونسل کے مرکزی ناظم مولانا محمد نواز بلوچ کے ساتھ ان کی گاڑی پر ہم لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ان دوستوں کو میں نے مولانا سید سلمان ندوی کی تشریف آوری کے بارے میں بتایا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ جاتے ہوئے مولانا ندوی سے ملتے جائیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ ہم نے ظہر کی نماز خانقاہ سید احمد شہید لاہور میں ادا کی اور دوپہر کا کھانا مولانا سید سلمان ندوی کے ساتھ کھایا۔ مختلف امور پر باہمی گفتگو ہوئی اور میں نے انہیں الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں تشریف آوری کی دعوت دی جو انہوں نے قبول فرمائی اور پھر ہم عازم کراچی ہو گئے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۵ دسمبر ۲۰۰۷ء)

## تین معاصر اہلِ علم بہ اسم ''سلمان ندوی''

سلمان ندوی نام کے تین بزرگ اس وقت ہمارے معاصر اہلِ علم و دانش میں معروف ہیں، تینوں سے بحمد اللہ تعالیٰ مجھے نیاز مندی حاصل ہے اور یہ تینوں ورلڈ اسلامک فورم میں شریک ہیں۔

۱۔ ایک ڈاکٹر سید سلمان ندوی ہیں جو معروف کتاب ''سیرت النبیؐ'' کے مصنف علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فرزند ہیں، ڈربن یونیورسٹی جنوبی افریقہ میں شعبہ اسلامیات کے سربراہ رہے ہیں، اور اب ریٹائرمنٹ کے بعد مختلف بین الاقوامی تعلیمی اداروں میں وقتاً فوقتاً اسلامی تعلیمات کے حوالے سے لیکچر دیتے رہتے ہیں۔

۲۔ دوسرے مولانا سید سلمان الحسینی ندوی ہیں جو رشتہ میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نواسے لگتے ہیں، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ الحدیث ہیں، اور علمی دنیا میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے جانشین اور نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔

۳۔ جبکہ تیسرے مولانا سلمان ندوی میرپور ڈھاکہ میں دارالارشاد کے نام سے ایک علمی ادارے کے ذریعے دینی وعلمی خدمات میں مسلسل مصروف رہتے ہیں، اور وہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فیض یافتہ ہیں۔

یہ تینوں بزرگ مختلف اوقات میں ہمارے پاس الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ تشریف لا چکے ہیں۔ اول الذکر دونوں بزرگ ورلڈ اسلامک فورم کے باقاعدہ سرپرستوں میں شامل ہیں جبکہ ڈھاکہ والے مولانا سلمان ندوی فورم کے نائب صدر ہیں۔.....

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء)

# مولانا محمد عیسیٰ منصوری

ورلڈ اسلامک فورم لندن کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری گزشتہ دو ہفتہ سے پاکستان میں ہیں اور مختلف شہروں میں احباب سے ملاقاتوں کے علاوہ فکری و نظریاتی محافل میں شرکت کر رہے ہیں۔ وہ جب بھی پاکستان آتے ہیں جامعہ مدنیہ لاہور ان کی قیام گاہ ہوتا ہے۔ اس بار بھی یہ روایت برقرار ہے البتہ ملتان، چیچہ وطنی، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے علاوہ اسلام آباد میں بھی متعدّد محافل میں انہوں نے خطاب کیا ہے۔ جبکہ ایک آدھ روز میں وہ واپس روانہ ہونے والے ہیں۔

## الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام سیمینار

گزشتہ روز الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں پاکستان کے قومی تعلیمی نصاب کے حوالہ سے ایک سیمینار میں بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے اور تفصیلی خطاب کیا۔ سیمینار کی صدارت گوجرانوالہ کے معروف ماہر تعلیم اور پریمئر لاء کالج کے پرنسپل میاں ایم آئی شمیم نے کی اور اس سے مولانا داؤد احمد، پروفیسر ڈاکٹر عبد الماجد ندیم، مولانا حافظ گلزار احمد آزاد، پروفیسر غلام حیدر، مولانا حافظ محمد یوسف، پروفیسر ریاض احمد، مولانا محمد عبد اللہ راتھر، راقم الحروف اور دیگر حضرات نے خطاب کیا۔ قومی تعلیمی نصاب اور دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے حوالہ سے بہت مفید گفتگو ہوئی اور مولانا منصوری نے تفصیلی خطاب کیا۔ اس کی تفصیل رپورٹ ان شاء اللہ تعالیٰ ماہنامہ الشریعہ میں شائع ہو جائے گی۔

## سید ابوالحسن علی ندوی اکادمی کی افتتاحی تقریب

مولانا محمد عیسیٰ منصوری کے اس دورہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے ایک فاضل دوست محمد جعفر نے اسلام آباد میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تعلیمات اور افکار کے فروغ کے لیے ”سید ابوالحسن علی ندویؒ اکادمی“ کی افتتاحی تقریب کا پروگرام بنا لیا۔ اور ۱۸ دسمبر جمعرات کو جامع مسجد سیدنا عثمان علیؓ جی ٹین ون میں علماء کرام اور اربابِ فکر و دانش کی ایک محفل سجالی۔ ہمارے

فاضل دوست مولانا محمد رمضان علوی (فاضل نصرۃ العلوم) اس مسجد کے خطیب ہیں اور جعفر صاحب ان کے ہم زلف ہیں۔ جعفر صاحب کچھ عرصہ پہلے تک اسلام آباد میں علمی و فکری سرگرمیوں کے لیے مضطرب دکھائی دیتے رہے۔ اب سالہا سال سے لندن میں ہیں اور ورلڈ اسلامک فورم کے سیکرٹری اطلاعات ہیں، فکر و نظر کے جراثیم پہلے سے موجود تھے، مولانا منصوری کی صحبت نے ان کی کارکردگی میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور اب وہ ورلڈ اسلامک فورم کی فعال ٹیم کا حصہ ہیں، جبکہ میں بھی اسی ٹیم کا ایک حصہ چلا آرہا ہوں۔ اور مولانا منصوری اور مفتی برکت اللہ کی رفاقت کا شرف مجھے گزشتہ ربع صدی سے حاصل ہے۔

جعفر صاحب بھی ان دنوں اسلام آباد آئے ہوئے ہیں اور واپس جانے سے قبل مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حوالہ سے دوستوں کا ایک حلقہ قائم کرنا چاہتے ہیں، اسی کے لیے انہوں نے مذکورہ سیمینار کا اہتمام کیا ہے اور ''سید ابوالحسن علی ندویؒ اکادمی'' کے نام سے عملی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے۔ اس کارِ خیر میں انہیں مولانا محمد رمضان علوی، مولانا محمد ادریس اور حافظ سید علی محی الدین جیسے رفقاء کا تعاون حاصل ہے۔ ان کا پروگرام یہ ہے کہ مولانا علی میاںؒ کے افکار و خیالات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ ان کے حوالہ سے اسلام آباد اور دیگر شہروں میں سیمینارز کا اہتمام کیا جائے اور ان کی تعلیمات کی روشنی میں نئی نسل کی ذہن سازی اور فکری راہنمائی کی راہیں ہموار کی جائیں۔

۱۸ دسمبر کے سیمینار کی صدارت راقم الحروف نے کی اور اس میں مولانا منصوری کے علاوہ ہمارے فاضل دوست مولانا سید عدنان کاکاخیل اور مولانا محمد رمضان علوی کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے پروفیسر ڈاکٹر عبد الماجد ندیم نے بھی خطاب کیا۔ اور اکادمی کے پروگرام کے سلسلہ میں اپنے تعاون اور حمایت کا اظہار کیا۔

مولانا منصوری نے مولانا علی میاںؒ کی علمی و دینی خدمات پر روشنی ڈالی اور اس بات پر زور دیا کہ نئی نسل کو گمراہی سے بچانے اور دینی جدوجہد کے صحیح رخ پر لگانے کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے افکار و خیالات کا فروغ ضروری ہے۔

راقم الحروف نے عرض کیا کہ آج مغربی دنیا اور عالمِ اسلام کے درمیان جو فکری و تہذیبی کشمکش عروج پر ہے، اس سے صحیح طور پر واقفیت کے لیے مولانا ندویؒ کا مطالعہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

کیونکہ میری طالب علمانہ سوچ کے مطابق جنوبی ایشیا کے جن چند مفکرین نے مغرب کے فکر و فلسفہ اور تہذیب و ثقافت کو سمجھا ہے اور اس پر جاندار علمی و فکری نقد کیا ہے ان میں مولانا ندویؒ کا نام سرفہرست ہے۔

مولانا سید عدنان کاکاخیل نے کہا کہ اپنے عصر کو سمجھ کر اور اس کے تقاضوں سے آگاہ ہو کر ہم اپنے لیے راہِ عمل صحیح رخ پر متعیّن کر سکتے ہیں۔ اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے بزرگوں اور اسلاف کا مطالعہ کریں اور ان کی جدوجہد اور فکر سے راہنمائی حاصل کریں۔

## جمعیت علماء اسلام شیخوپورہ کی فکری نشست

مولانا منصوری نے لاہور میں جمعیت علماء اسلام ضلع شیخوپورہ کے امیر حافظ محمد قاسم کی طرف سے منعقدہ ایک فکری نشست سے بھی خطاب کیا اور علماء کرام سے کہا کہ وہ شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی جدوجہد اور افکار و خدمات کا تفصیل کے ساتھ مطالعہ کریں اور ان سے راہنمائی حاصل کریں۔ کیونکہ آج کے معروضی حالات میں وہی ہمارے لیے سب سے زیادہ مثالی اور آئیڈیل شخصیت ہیں۔

مولانا منصوری اس وقت عالمِ اسلام کی ان ممتاز شخصیات میں سے ہیں جو مسلمانوں میں فکری بیداری اور عصرِ حاضر کا شعور اجاگر کرنے کے لیے ہمہ وقت متحرک رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور عافیت کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کی یہ خدمت تا دیر جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۳ دسمبر ۲۰۱۴ء)

گزشتہ دنوں ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری چند روز کے لیے پاکستان آئے اور رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع میں شرکت کے بعد لاہور، گوجرانوالہ، میرپور آزاد کشمیر، راولپنڈی اور اسلام آباد میں مختلف علماء کرام سے ملاقاتیں کر کے انڈیا چلے گئے۔

## مولانا منصوری کا تعارف اور سرگرمیاں

مولانا محمد عیسیٰ منصوری کا تعلق انڈیا کے صوبہ گجرات سے ہے، فاضل اور دانشور عالمِ دین ہیں،

صاحبِ قلم ہیں اور عالمِ اسلام کے اجتماعی مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں، گزشتہ ۲۵ سال سے لندن میں مقیم ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں راقم الحروف اور مولانا منصوری دونوں نے مل کر دوسرے رفقاء کے ہمراہ ورلڈ اسلامک فورم کی بنیاد رکھی تھی، پانچ سال تک راقم الحروف چیئرمین اور مولانا موصوف سیکرٹری جنرل رہے، اب دو سال سے وہ چیئرمین ہیں اور میں ان کی مجلس عاملہ کا رکن ہوں۔

مولانا دو ہفتے قبل لندن سے انڈیا گئے تھے جہاں انہوں نے ممبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تیرہویں سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ اس بورڈ میں مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام شریک ہیں اور اسے پورے بھارت کے نمائندہ مذہبی فورم کی حیثیت حاصل ہے۔ بورڈ کے سربراہ مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں اور اس میں سنی، شیعہ، دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اور جماعتِ اسلامی سمیت تمام مکاتبِ فکر شامل ہیں۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بنیادی مقصد خاندانی اور شخصی قوانین میں مسلمانوں کے جداگانہ دینی تشخص کا تحفظ ہے، اور اس فورم پر مسلمان اس دباؤ کا مسلسل اور کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں جو "کامن سول کوڈ" کے نام سے تمام باشندگانِ وطن کے لیے نکاح و طلاق اور وراثت میں یکساں قوانین کے نفاذ اور مسلمانوں کے جداگانہ خاندانی قوانین کے خاتمہ کے لیے ملکی اور عالمی سطح پر جاری ہے۔

## مسلمانانِ ہند کے مسائل اور حضرت ندوی کا خطبۂ صدارت

یہ اجلاس ۲۸، ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ممبئی میں ہوا جس میں تمام مکاتبِ فکر کے ہزاروں علماء کرام اور لاکھوں عام مسلمانوں نے شرکت کی اور مسلمانوں نے ایک بار پھر متحد ہو کر اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ خاندانی قوانین کے حوالہ سے اپنے جداگانہ تشخص کا تحفظ کریں گے اور کامن سول کوڈ کو کسی صورت میں قبول نہیں کریں گے۔ بورڈ کے سربراہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علالت اور ضعف کے باعث اجلاس میں شریک نہ ہو سکے البتہ ان کی طرف سے خطبۂ صدارت مولانا محمد عبداللہ نے کانفرنس میں پڑھ کر سنایا جس میں انہوں نے مسلمانانِ ہند کے جذبات کی ترجمانی فرمائی۔ انہوں نے اس خطبہ میں واضح طور پر اعلان کیا کہ

> "مسلمان اگر مسلم پرسنل لاء (شرعی عائلی قوانین) میں تبدیلی قبول کریں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں۔ فلسفہ

اخلاق، فلسفہ نفسیات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظامِ معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں لیکن گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی و خاندانی روابط میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں۔ اس لیے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے سر پر کوئی دوسرا نظامِ معاشرت، نظامِ تمدن اور عائلی قوانین مسلط کیا جائے۔ ہم اس کو دعوتِ ارتداد سمجھتے ہیں اور اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوتِ ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہیے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے۔"

## مولانا منصوری حضرت ندوی کی خدمت میں

مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے اس کانفرنس میں ورلڈ اسلامک فورم کی طرف سے شرکت کی اور بھارت کے مسلمانوں کے ساتھ ان کی دینی جدوجہد میں ہم آہنگی اور حمایت کا اظہار کیا۔ ممبئی کانفرنس میں شرکت کے بعد مولانا موصوف اپنے علاقہ گجرات کی طرف نہ جا سکے بلکہ لکھنؤ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں حاضری اور بیمار پرسی سے فارغ ہو کر رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع کی غرض سے پاکستان آ گئے۔ اور ایک روز جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور میں قیام کے بعد گوجرانوالہ تشریف لائے، یہاں سے ہم دونوں میرپور آزاد کشمیر گئے جہاں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے مہتمم حاجی محمد بوستان صاحب نے عشائیہ کا اہتمام کر رکھا تھا اور میرپور کے علماء کرام اور معززین شہر جمع تھے۔ مولانا منصوری نے اپنے خطاب میں علماء کرام کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ ہمیں آج کی ضروریات اور تقاضوں کا احساس کرتے ہوئے نئی نسل کو اس کے مطابق تیار کرنا چاہیے۔ کچھ دیر کے لیے ہم جامعہ عربیہ اسلامیہ بھی گئے اور مولانا مفتی محمد یونس کشمیری کے ساتھ ملاقات و گفتگو کی۔

دوسرے روز ہم مفتی محمد یونس کشمیری کے ہمراہ راولپنڈی پہنچے جہاں جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی صدر میں پاکستان شریعت کونسل کے امیر مولانا فداء الرحمان درخواستی، صوبائی امیر مولانا

قاری سعید الرحمان اور دیگر علماء کرام کے ساتھ ایک نشست ہوئی۔ اس کے بعد مولانا منصوری نے روزنامہ اوصاف اسلام آباد کے دفتر کا دورہ کیا اور جناب حامد میر سے ملاقات کی۔ اور پھر مولانا فداء الرحمان درخواستی کی طرف سے دیے گئے ظہرانہ میں شریک ہو کر اپنے پرانے رفیق ملک خداداد کے ہمراہ اکوڑہ خٹک چلے گئے۔ جہاں انہوں نے دارالعلوم حقانیہ کے مختلف حصوں کو دیکھنے کے علاوہ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا سمیع الحق سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔

مولانا محمد عیسیٰ منصوری کا یہ دورہ اتنا مختصر تھا کہ دو تین روز میں مختلف مقامات پر تھوڑی دیر کے لیے حاضری اور چند حضرات سے سرسری ملاقاتوں کے علاوہ کچھ نہ ہو سکا، ورنہ میری خواہش تھی کہ اگر کچھ وقت ہوتا تو علماء کرام اور دانشوروں کی ایک بھرپور نشست کا اہتمام ہوتا جس سے مولانا محمد عیسیٰ منصوری کے فاضلانہ خیالات سے احباب کو زیادہ استفادہ کا موقع مل جاتا۔ بہرحال تھوڑا بہت جو بھی ہوا غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ ملت کا درد اور امت کے اجتماعی مسائل کا احساس رکھنے والے علماء کرام اور دانشوروں کی ان خدمات کو قبول فرمائیں اور مسلسل محنت کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۲۳ نومبر ۱۹۹۹ء)

# مولانا محمد اکرم ندوی

## پہلی ملاقات

.....ازبک ایئرلائن کے بورڈنگ کارڈ پر سیٹ کا نمبر نہیں ہوتا۔ رش میں سیٹ تلاش کرتے ہوئے جہاز کے آخری حصے میں پہنچا تو دو باریش حضرات کے درمیان ایک سیٹ خالی تھی، انہوں نے تیسرا باریش دیکھ کر بیک وقت آواز دی کہ یہاں آجائیں اور میں ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ ان میں تو ایک سردار صاحب تھے جو جالندھر سے آرہے تھے، اور دوسرے باریش نوجوان کا تعارف ہوا تو حسنِ اتفاق پر بارگاہِ ایزدی میں تشکر بجالایا کہ یہ صاحب مولانا محمد اکرم ندوی تھے جو ندوۃ العلماء لکھنو سے تعلق رکھتے ہیں اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی زیر نگرانی اسلامک سنٹر میں خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان سے مختلف دینی، علمی اور معاشرتی مسائل پر مفید گفتگو ہوتی رہی اور حضرت مولانا علی میاں کی صحت وعافیت اور بھارتی مسلمانوں کے تازہ ترین حالات سے آگاہی ہوئی۔ تقریباً سات گھنٹے کی پرواز کے بعد لندن کے وقت کے مطابق شام سوا سات بجے ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترے تو پھر وہی ڈاڑھی کا مسئلہ سامنے آگیا اور امیگریشن کے کاؤنٹر پر میرا پاسپورٹ چیک کر کے یہ کہہ کر روک لیا گیا کہ گزشتہ سال آپ نے انٹری کی پوری مدت چھ ماہ برطانیہ میں کیوں گزاری ہے؟ میرا موقف یہ تھا کہ جب آپ نے چھ ماہ کی انٹری دی تھی تو چھ ماہ سے دو دن کم یہاں رہنے پر اعتراض کیوں ہے؟ میں اس اعتراض کا جواز سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک طرف تین سردار صاحبان بھی دوسرے کاؤنٹر پر میری طرح بیٹھے نظر آئے۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرائے جیسے بات دونوں کی سمجھ میں آگئی ہو کہ اصل مسئلہ ڈاڑھی کا ہی ہے۔ بہرحال دو گھنٹے کے اتار چڑھاؤ کے بعد مجھے لندن میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ - اگست ۱۹۹۳ء)

## امت کی خواتینِ علم و فضل

آکسفورڈ آج کی دنیا کا بڑا تعلیمی و تہذیبی مرکز ہے، مجھے کبھی کبھی وہاں جانے کا موقع ملتا ہے اور اپنے تاثرات میں قارئین کو بھی ہر بار شریک کرتا ہوں۔ بھارت کے ممتاز مسلم دانش ور اور محقق و مصنف پروفیسر ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مرحوم کے فرزند ڈاکٹر فرحان احمد نظامی نے آکسفورڈ میں ایک علمی و فکری مرکز قائم کر رکھا ہے جس کے سرپرستوں میں برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس اور سلطان آف برونائی کے علاوہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ اور پروفیسر ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مرحوم و مغفور بھی شامل رہے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں میں باہمی فکری ہم آہنگی اور رفاقت و دوستی کا تعلق تھا اور موسم گرما میں دونوں بزرگ آکسفورڈ تشریف لایا کرتے تھے۔ مولانا محمد عیسیٰ منصوری اور راقم الحروف نے متعدّد بار ان بزرگوں کی زیارت و ملاقات کے لیے آکسفورڈ کا سفر کیا اور ان کی مجالس سے فیضیاب ہوئے۔

اب یہ دونوں بزرگ اس دنیا میں نہیں ہیں مگر اب میرے آکسفورڈ کے سفر میں کشش کا سبب ایک نوجوان عالم و دانش ور بن گئے ہیں جن کا تذکرہ قارئین نے اس کالم میں اس سے قبل بھی پڑھا ہوگا۔ جب بھی کچھ دنوں کے لیے برطانیہ آنا ہوتا ہے مولانا محمد اکرم ندوی کی فرمائش پر آکسفورڈ میں بھی حاضری ہوتی ہے۔ وہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تعلیم یافتہ ہیں، خالص ندوی ذوق رکھتے ہیں اور ہر وقت کتابوں اور تحقیق و مطالعہ میں کھوئے رہتے ہیں۔ امت کی محدثات یعنی علم حدیث حاصل کرنے والی اور اس کی خدمت کرنے والی خواتین کے حالات جمع کرنے کے بارے میں ان کی محنت کا تذکرہ اس سے پہلے کر چکا ہوں، اس سفر میں انہوں نے بتایا کہ آٹھ ہزار محدثات کے حالات منضبط ہو چکے ہیں۔ ایک عرب ملک کے اشاعتی ادارے نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی ہے اور ”الوفاء فی اخبار النساء“ کے نام سے یہ ضخیم کتاب تقریباً تیس جلدوں میں شائع ہونے جا رہی ہے۔ اس دفعہ ان کے ساتھ آکسفورڈ حاضری کے لیے یکم اکتوبر جمعہ کا دن طے ہوا اور اس دن کے انتخاب کی ایک وجہ یہ بھی بنی کہ اس روز ملائیشیا کے وزیراعظم ڈاکٹر عبداللہ احمد البداوی آکسفورڈ تشریف لا رہے تھے اور انہوں نے اسلامک سنٹر کے زیر اہتمام یہاں کے مشہور تعلیمی ادارہ موڈلین کالج کے ہال میں لیکچر دینا تھا.....

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

.....آکسفورڈ سے مولانا محمد اکرم ندوی بھی تشریف لائے۔ اس خیال سے ہم ہفتہ کی شام کو پہنچ گئے تھے کہ کانفرنس کے ہجوم سے قبل اطمینان سے بات چیت کا موقع مل جائے گا، چنانچہ مختلف دینی و تعلیمی امور پر ان سے گفتگو رہی۔ انہوں نے اپنی نئی تصنیفات سے آگاہ کیا جن میں عربی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سوانح و خدمات پر ایک ضخیم کتاب بھی شامل ہے۔ مولانا محمد اکرم ندوی تصنیف و تالیف کے کام میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں مگر ان کے ایک تحقیقی کام سے مجھے بہت دلچسپی ہے جو وہ امت کی خاتون محدثات کے حالات و خدمات کی جمع و ترتیب کے لیے ایک عرصہ سے جاری رکھے ہوئے ہیں اور میں ہر ملاقات میں ان سے اس میں پیشرفت کے بارے میں دریافت کرتا رہتا ہوں۔ اس ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ وہ اب تک آٹھ ہزار سے زائد محدثات کے سوانح و تراجم جمع کر کے انہیں ترتیب دے چکے ہیں اور چالیس جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ''الوفاء فی اخبار النساء'' کے نام سے مرتب ہوگئی ہے جو طباعت کے مراحل میں ہے اور بیروت کے ایک ادارے نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۴ جون ۲۰۰۶ء)

# ڈاکٹر فرحان احمد نظامی

.....اس بات کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ پاکستانی عوام کو بالعموم اور متعلقہ اداروں اور طبقات کو خاص طور پر اس بل کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی جائے اور اس سلسلہ میں ہر سطح پر آگاہی کی مہم کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ سود کی نحوست کے شرعی پہلوؤں کو قرآن و سنت کی روشنی میں جمعۃ المبارک کے خطبات، عمومی بیانات، اخباری مضامین اور میڈیا پروگراموں میں اجاگر کرنے کے علاوہ معاشی زندگی میں سودی نظام کے منفی اثرات کو بھی سامنے لایا جائے اور اس منحوس سسٹم کی اخروی تباہ کاریوں کے ساتھ ساتھ دنیاوی نقصانات سے بھی عوام کو آگاہ کیا جائے۔

مثال کے طور پر آکسفورڈ برطانیہ میں ہمارے ایک فاضل دوست ڈاکٹر فرحان احمد نظامی کے بیان کردہ ایک واقعہ اور مشاہدہ کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو برصغیر کے نامور مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ کے فرزند اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خوشہ چین ہیں اور آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز کے ڈائریکٹر جنرل ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ یورپ کے کسی ملک کی ایک یونیورسٹی نے انہیں دعوت دی کہ وہ اس کے ایک پروگرام میں سود کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر بیان کریں، انہوں نے وعدہ کیا اور تیاری شروع کر دی، وہ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں ترتیب وہی تھی جو ہمارے ہاں عام طور پر ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی آیات، احادیثِ مبارکہ اور فقہاء کرام کے ارشادات کے ذریعے اپنے موقف کو واضح کرنے کی کوشش کروں گا، مگر تیاری کے دوران ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس سے میں تو شاید اپنی ذمہ داری پوری کر لوں گا لیکن شاید ان لوگوں کو بات زیادہ بہتر طور پر نہ سمجھا سکوں۔ اس لیے میں نے ترتیب بدل دی اور تیاری کا رخ اس طرف موڑ دیا کہ سودی نظام نے دنیا کی مجموعی معیشت کو کیا فائدہ دیا ہے اور کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ اس پر ممتاز ماہرینِ معیشت کی تحقیقات اور اس سلسلہ میں جدید ترین

ریسرچ کا مطالعہ کیا۔ جس کا مجموعی طور پر خلاصہ یہ ہے کہ سودی نظام نے انسانی معیشت کو عدمِ توازن سے دوچار کیا ہے اور فائدہ سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ چنانچہ آج عالمی سطح پر سودی نظام کا دائرہ محدود کرنے کے راستے تلاش کیے جا رہے ہیں اور غیر سودی معیشت کی ضرورت و اہمیت اور نفع و افادیت کا احساس نمایاں ہوتا جا رہا ہے۔ نظامی صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس ساری ریسرچ کا خلاصہ ایک ترتیب کے ساتھ بیان کر کے آخر میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ کا حوالہ دیا کہ "یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقات" (اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے) کہ جس نتیجے پر دنیا آج پہنچی ہے وہ قرآن کریم نے چودہ سو برس قبل بیان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر فرحان احمد نظامی نے بتایا کہ وہ اس اسلوب کے ساتھ اپنا موقف زیادہ بہتر طور پر سمجھانے میں کامیاب ہوئے اور اس کے بعد متعدّد یورپی یونیورسٹیوں کی طرف سے انہیں یہ موقف ان کے ہاں بیان کرنے کی دعوت مل چکی ہے۔ گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سودی نظام سے ملک اور قوم کو نجات دلانے کے لیے سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ علمی و فکری محنت کی بھی ضرورت ہے اور اس کے لیے آج کے اسلوب کو اختیار کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - اگست ۲۰۱۹ء)

..... دو سال قبل آکسفورڈ میں ہماری ملاقات ڈاکٹر فرحان احمد نظامی سے ہوئی جو برصغیر کے نامور محقق پروفیسر ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مرحوم کے فرزند ہیں۔ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی کا تعلق لکھنو سے تھا اور بھارت کے ممتاز محققین اور ماہرین تعلیم میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی تصانیف میں (۱) شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات، (۲) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، اور (۳) تاریخ مشائخ چشت معروف کتابیں ہیں۔ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مرحوم سے بھی راقم الحروف کی کم از کم دو ملاقاتیں آکسفورڈ میں ڈاکٹر فرحان احمد نظامی کی رہائش گاہ پر ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر فرحان احمد نظامی آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ ہیں جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی نگرانی میں علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اسی سنٹر میں ڈاکٹر فرحان سے ہماری ایک ملاقات کے دوران اسکالرشپ کا مسئلہ زیر بحث آگیا۔ ڈاکٹر فرحان نظامی نے بتایا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے مختلف شعبوں اور بعض دیگر اداروں کی طرف سے اسکالرشپ کی بے شمار پیشکشیں مختلف ممالک میں بھجوائی جاتی ہیں۔ اور پاکستان میں بھی یہ

پیشکشیں پہنچتی ہیں جو اکثر و بیشتر سرکاری دفاتر کی فائلوں میں دبی رہتی ہیں اور مستحق طلبہ اس سہولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جن ممالک کے بارے میں اس سلسلہ میں عدم توجہ کی سب سے زیادہ شکایت پائی جاتی ہے ان میں پاکستان سرفہرست ہے۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد-۱۹ جون ۱۹۹۹ء)

# جناب جعفر بھٹی

.....مولانا محمد رمضان علوی، مولانا مفتی محمد سیف الدین، حافظ سید علی محی الدین اور ان کے ایک عزیز مولانا صاحب کے ہمراہ خانقاہ میں حاضری ہوئی جہاں حضرت پیر صاحبؒ اور دیگر بزرگوں کی قبور پر فاتحہ خوانی اور دعا کی سعادت حاصل ہوئی۔ موجودہ سجادہ نشین بزرگ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے، خاندان کے ایک فاضل نوجوان جناب پیر سید نجم الدین سے ملاقات کا موقع مل گیا۔ واپسی پر اسلام آباد میں جناب جعفر بھٹی سے ان کے بھائی کی وفات پر تعزیت کی۔ جعفر بھٹی ہمارے باذوق ساتھیوں میں سے ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے گہری عقیدت اور ان کی کتابوں کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، ایک عرصہ سے لندن میں رہائش پذیر ہیں، ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری کے رفقاء میں سے ہیں اور فورم کے سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسلام آباد میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نسبت سے ایک علمی ادارہ قائم کر رکھا ہے اور لائبریری میں کتب جمع کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں۔ ان کا ارادہ حضرت ندویؒ کے نام سے ایک علمی و فکری مرکز قائم کرنے کا ہے جس کی مشاورت میں راقم الحروف اور مولانا محمد رمضان علوی بھی شریک ہیں۔.....

(روزنامہ انصاف، لاہور - ۸ ستمبر ۲۰۱۷ء)

# مولانا محمد سلمان

.....لندن سے ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا عیسیٰ منصوری اپنے رفقاء مولانا مشفق الدین اور مولانا محمد فاروق کے ہمراہ امارات ایئرلائن ہی کی دوسری پرواز سے ڈھاکہ پہنچے، اس جہاز نے نو بجے پہنچنا تھا مگر اسے بھی فضا میں ایک گھنٹہ گھومنا پڑا اور وہ بھی ہمارے ساتھ دس بجے ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اترے۔ امیگریشن لاؤنج میں ہم اکٹھے ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ ان کے جہاز کے پائلٹ نے اعلان کیا تھا کہ وہ اگر ڈھاکہ ایئرپورٹ پر جہاز کو نہ اتار سکا تو بنکاک جانا ہوگا اور طیارہ بنکاک کے ایئرپورٹ پر اترے گا۔ لیکن وہ بھی اس زائد سفر سے بچ گئے اور ہم سب اکٹھے ہی ایئرپورٹ سے باہر نکلے جہاں مدرسہ دارالرشاد میرپور ڈھاکہ کے مہتمم مولانا محمد سلمان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خیر مقدم کے لیے موجود تھے۔ مولانا محمد سلمان دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں سے ہیں اور مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے فکری پیروکار ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمان اعظمی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حضرت مولانا سلمان الحسینی سیمینار میں شرکت کے لیے ہم سے پہلے ڈھاکہ پہنچ چکے تھے۔

مغرب کے بعد مدرسہ دارالرشاد کی مسجد میں علماء کرام اور دینی کارکنوں کے ایک بھرپور اجتماع سے مولانا سید سلمان الحسینی ندوی نے تفصیلی خطاب کیا اور علماء کرام کو دورِ حاضر کے حوالہ سے ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ یکم فروری کو فجر کی نماز کے بعد سید ابوالحسن علی ندویؒ ایجوکیشن سنٹر کے طلبہ کو حجۃ اللہ البالغہ کا پہلا سبق پڑھا کر مولانا سلمان ندوی نے سنٹر کی تعلیمی سرگرمیوں کا افتتاح کیا۔ یہ درس نظامی کے فضلاء کی کلاس ہے اور اس میں اسی انداز سے مختلف ضروری مضامین کا دو سالہ کورس مرتب کیا گیا ہے جس طرح کا کورس ہم الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ میں پڑھا رہے ہیں مگر ہمارے ہاں اس کورس کا دورانیہ ایک سال کا ہے جبکہ مذکورہ سنٹر میں اس کا دورانیہ دو سال کا رکھا گیا ہے اور مضامین بھی کچھ زیادہ ہیں۔

نو بجے سیمینار کی باقاعدہ تقریب تھی اور علماء کرام کی ایک بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی۔ بزرگ عالم دین اور مسجد بیت المکرم کے خطیب مولانا عبید الحق نے سیمینار کی صدارت کی جبکہ ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا عیسیٰ منصوری مہمان خصوصی تھے اور مقررین میں دارالعلوم دیوبند کے مولانا حبیب الرحمان اعظمی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور راقم الحروف کے علاوہ بنگلہ دیش کے دیگر سرکردہ علماء کرام بھی شامل تھے۔ سیمینار کا عنوان ''نئی صدی میں علماء کرام کی ذمہ داریاں'' تھا۔ راقم الحروف نے گفتگو کے آغاز میں اس طرف توجہ دلائی کہ صدی سے ہماری کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ اگر صدی سے مراد عیسوی ہے تو فی الواقع اس کا اب آغاز ہوا ہے لیکن اگر ہجری صدی مراد ہے تو اس کا ایک ربع ہم گزار چکے ہیں، میں نے سامعین کو بتایا کہ گزشتہ عیسوی صدی کے اختتام پر ہم نے نئی صدی کے حوالہ سے ایک پروگرام کے بارے میں ملک کے مختلف ارباب دانش سے مشورہ کیا تو شہید پاکستان حکیم محمد سعیدؒ نے اپنے مکتوب میں توجہ دلائی کہ آپ کس صدی کی بات کر رہے ہیں اس لیے کہ ہم تو اپنی نئی صدی کے حوالہ سے دو عشرے قبل تقریبات کا انعقاد کر چکے ہیں۔

تمام مقررین نے دور حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کے حوالہ سے علماء کرام کی ذمہ داریوں پر تفصیلی گفتگو کی اور ظہر کی نماز کے وقت سیمینار اختتام پذیر ہوا۔ اسی روز مغرب کے بعد مولانا عیسیٰ منصوری اور راقم الحروف ڈھاکہ ایئرپورٹ کے قریب ایک آبادی میں واقع مدرسہ الہدیٰ میں گئے جس میں معہد السید ابوالحسن علی ندویؒ کے نام سے الگ شعبہ قائم کیا گیا ہے اور اس میں اسی نوعیت کے پروگرام رکھے گئے ہیں جو ہم الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ میں چلا رہے ہیں۔ مولانا سلمان کی کوششوں سے ایک کتاب بنگلہ زبان میں شائع ہوئی ہے جس میں دینی مدارس کے نصاب کے بارے میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا شمس الحق فرید آبادیؒ سمیت متعدد اکابر اہل علم کی نگارشات کو مرتب انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس میں ہم دونوں کی طالب علمانہ کاوش کو بھی نمایاں جگہ دی گئی ہے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۵ جنوری ۲۰۰۴ء)

# مولانا محمد سلطان ذوق

..... ہمارا سفر دراصل دارالارشاد میرپور ڈھاکہ کی دعوت پر سید ابوالحسن علی ندویؒ ایجوکیشن سنٹر کی افتتاحی تقریب کے حوالے سے ہوا تھا جو یکم جنوری کو منعقد ہوئی۔..... چاٹگام میں اس تعلیمی محاذ پر ایک اور عالمِ دین کو بھی متحرک پایا اور ان کا کام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ مولانا سلطان ذوق ہیں جو دارالمعارف کے نام سے ایک معیاری درسگاہ اور تعلیمی مرکز چلا رہے ہیں۔ ان کا فکری تعلق بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ہے اور مولانا ندویؒ ان کی دعوت پر دو بار چاٹگام تشریف لا چکے ہیں۔ وہ اس محاذ پر نہ صرف توجہ دلانے کا کام کر رہے ہیں بلکہ عملی طور پر نصابی کتابوں کی تدوین، مروجہ نصابی کتابوں کو نئے اسلوب میں ڈھالنے اور نئی کتابوں کی تلاش و نشاندہی کی محنت میں بھی مصروف ہیں۔.....

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۲۳ جنوری ۲۰۰۴ء)

# اداروں کی سرپرستی و سربراہی

# ندوۃ العلماء لکھنؤ

.....مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھارت کے معروف علمی ادارہ ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کے سربراہ تھے۔ اور ندوہ صرف ایک ادارہ نہیں بلکہ ایک علمی وفکری تحریک کا نام ہے جس نے برصغیر پاک وہندو بنگلہ دیش پر برطانوی استعمار کے تسلط کے بعد ملتِ اسلامیہ کو بیدار رکھنے اور اس کے دینی و ثقافتی تشخص کی حفاظت کے لیے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اور اس حوالہ سے ہماری ملی تاریخ میں علی گڑھ یونیورسٹی اور دارالعلوم دیوبند کے ساتھ جو تیسرا نام ناقابلِ فراموش حصہ بن چکا ہے، وہ ندوۃ العلماء لکھنؤ ہے، جس کی بنیاد وقت کے ایک باخدا شخص مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے رکھی جبکہ مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسی عبقری شخصیتوں نے اسے پروان چڑھایا۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۱۴ جنوری ۲۰۰۰ء)

# آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

.....بھارت کے مسلمان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ تمام تر مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اپنے خاندانی قوانین کا تحفظ کیے ہوئے ہیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سربراہی میں تمام مکاتب فکر کا مشترکہ "آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ" پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے پرسنل لاء کے تحفظ کی جنگ لڑ رہا ہے۔ بھارت میں "کامن سول کوڈ" کے نفاذ کے نام سے مسلمانوں کے جداگانہ شخصی قوانین کو ختم کرنے کی مہم ایک عرصہ سے چل رہی ہے، اور مسلمانوں پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ قومی یکجہتی کی خاطر نکاح و طلاق اور وراثت میں اپنے جداگانہ مذہبی قوانین سے دستبردار ہو کر کامن سول کوڈ قبول کر لیں۔ چنانچہ یہاں بھی کامن سول کوڈ سے مراد وہی بین الاقوامی قوانین اور معیار ہے جس کا تذکرہ میں نے پہلے اقوام متحدہ کے چارٹر کے حوالہ سے کر دیا ہے۔ مگر انڈین مسلمان اس معاملہ میں بالکل بے لچک ہیں اور پرسنل لاء میں اپنے مذہبی احکام و قوانین کے تحفظ کا پوری طرح عزم کیے ہوئے ہیں جس پر وہ بلاشبہ تبریک و تحسین اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۱۳ اگست ۱۹۹۹ء)

.....آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بھارت میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے ذمہ دار نمائندوں کا مشترکہ فورم اور اس لحاظ سے مسلمانوں کا سب سے بڑا نمائندہ ادارہ ہے جس میں تمام مذہبی مکاتب فکر شامل ہیں اور اس کا مقصد پرسنل لا یعنی نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو قائم رکھنا اور اس عالمی اور قومی دباؤ کا مقابلہ کرنا ہے جو مسلمانوں پر انھیں نکاح و طلاق اور وراثت وغیرہ کے جداگانہ دینی قوانین و احکام سے دستبرداری پر آمادہ کرنے کے لیے مسلسل بڑھایا جا رہا ہے۔ بھارت میں "کامن سول کوڈ" کے نام سے ایک عرصہ سے یہ تحریک جاری ہے کہ جس طرح دوسرے مذاہب کے لوگ باہم شادیاں کر رہے ہیں اور پرسنل لا میں اپنے مذہبی احکام کے بجائے مشترکہ عالمی و ملکی قوانین پر عمل پیرا ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو بھی مشترکہ برادری کا حصہ بننا چاہیے اور

اپنے لیے الگ مذہبی قوانین پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، مگر مسلمانوں نے متفقہ طور پر اس کو مسترد کر دیا ہے اور ایک عرصہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم پر وہ اپنے جداگانہ تشخص اور خاندانی قوانین وروایات کے تحفظ کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس بورڈ کے سربراہ بالترتیب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور فقیہ ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ رہ چکے ہیں، جبکہ ان کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سربراہ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ بورڈ کے سربراہ ہیں۔.....

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ جنوری ۲۰۰۵ء)

..... بھارت میں مسلمانوں کے شرعی خاندانی قوانین کے تحفظ کے لیے ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا مشترکہ پلیٹ فارم موجود ہے جس کے پہلے سربراہ حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، دوسرے سربراہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، تیسرے سربراہ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ تھے، جبکہ اب اس کے سربراہ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ ہیں اور اہلِ تشیع اس بورڈ کا نہ صرف مسلسل حصہ ہیں بلکہ ممتاز شیعہ علماء اس کے مرکزی عہدہ دار بھی چلے آرہے ہیں۔.....

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ مارچ ۲۰۱۱ء)

# رابطہ عالمی ادب اسلامی

..... رابطہ ادب اسلامی کے سلسلہ میں سیمینار میں بتایا گیا کہ یہ ایک عالمی ادبی تحریک ہے جس کا مقصد ادب کی دنیا میں اسلامی روایات و تعلیمات کی ترجمانی ہے۔ اس تحریک کا آغاز مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تجویز پر ان کی سرپرستی میں ہوا تھا اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نام پر ایک ادبی تنظیم قائم کی گئی تھی جو اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں کام کر رہی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ آج کے دور میں الحاد و زندقہ اور کفر و ارتداد کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ عمرانی علوم اور ادب و ابلاغ ہے، اور مسلم نوجوانوں کے ذہنوں میں انہی ذرائع سے شکوک و شبہات اور الحاد و زندقہ کا بیج بویا جا رہا ہے۔ اس لیے اسلامی دنیا کے علماء کرام اور اہلِ دانش کی ذمہ داری ہے کہ وہ ادب اور ابلاغ کے مجموعی ماحول سے الگ رہنے کی بجائے اس میں شریک ہوں، ادب و ابلاغ کے ذریعے اسلامی تعلیمات و روایات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی منظم جدوجہد کریں، اور اسلامی روایات و اقدار کی نمائندگی کے لیے ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیں۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی کا قیام اس مقصد کے لیے عمل میں لایا گیا ہے اور پاکستان میں اس کی باقاعدہ شاخ موجود ہے جس کے صدر جامعہ اشرفیہ لاہور کے نائب مہتمم مولانا فضل رحیم ہیں۔

جبکہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف اس کے نائب صدر اور ہفت روزہ المنبر جناح کالونی فیصل آباد کے ایڈیٹر ڈاکٹر زاہد اشرف سیکرٹری جنرل ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر کی ادارت میں ایک خبرنامہ ''اخبار الرابطہ'' کے عنوان سے ۱۲ ڈبلیو مدینہ ٹاؤن فیصل آباد سے شائع ہوتا ہے جس میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی اہم سرگرمیوں سے قارئین کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر زاہد اشرف نے بتایا کہ پاکستان کے مختلف شعبوں میں رابطہ ادب اسلامی کے سلسلہ میں اہلِ

علم و دانش کے ساتھ رابطوں کا سلسلہ جاری ہے اور اس کا دائرہ پورے ملک تک پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۸ ستمبر ۲۰۰۳ء)

۱۲ اپریل جمعرات کو پنجاب یونیورسٹی کے شیخ زاید اسلامک سینٹر میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے ایک روزہ قومی سیمینار میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، جو "اخلاق ادب اور قیامِ امن کا چیلنج" کے عنوان پر منعقد ہوا اور جس کی مختلف نشستوں سے سرکردہ علمائے کرام اور اربابِ فکر و دانش نے خطاب کیا۔ صبح نو بجے سے شام ساڑھے چھ بجے تک سیمینار کی مختلف نشستیں ہوئیں، جبکہ عالمِ اسلام کے ممتاز دانش ور جناب ڈاکٹر سید سلمان ندوی (آف جنوبی افریقہ) نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت کی۔ راقم الحروف کو ساڑھے تین سے پونے چھ بجے تک منعقد ہونے والی تیسری نشست میں مہمان خصوصی کا اعزاز بخشا گیا۔ اس موقع پر بہت سے اہل دانش کے ارشادات سے استفادہ کرنے کے علاوہ کچھ گزارشات پیش کرنے کا بھی موقع ملا۔ اس نشست کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے قبل عالمی رابطہ ادب اسلامی کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"عالمی رابطہ ادب اسلامی" ادب سے تعلق رکھنے والی بہت سی شخصیات کا ایک مشترکہ فورم ہے، جو مختلف ممالک میں اسلامی ادب کے تعارف اور فروغ کے لیے مصروفِ کار ہے۔ اس عالمی ادبی فورم کے قیام کی تجویز اپریل ۱۹۸۱ء کے دوران لکھنؤ میں منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں پیش کی گئی، جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعوت پر ہوا اور جس میں اس ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ ادبِ اسلامی کی ترویج و اشاعت کے لیے اسلامی ادیبوں کی ایک عالمگیر تنظیم قائم کی جائے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے درخواست کی گئی کہ وہ اس فورم کی عملی تشکیل کی طرف پیشرفت فرمائیں۔ چنانچہ ان کی نگرانی اور راہ نمائی میں مسلسل رابطوں کے بعد جنوری ۱۹۸۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اس سلسلہ میں پہلی عمومی کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا اور دستور اساسی اور مجلس عاملہ کا انتخاب کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو اس کا تاحیات صدر منتخب کیا گیا۔ "عالمی رابطہ ادب اسلامی" کے نام سے قائم ہونے والے اس عالمی ادبی فورم میں

مختلف ممالک کے ایسے اربابِ فکر و دانش شامل ہیں، جو اسلامی ادب کے مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور جن کی علمی و ادبی حیثیت کا عالمِ اسلام میں احترام کیا جاتا ہے۔

۲۰۰۰ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد عالمی رابطہ ادب اسلامی کا صدر دفتر لکھنؤ سے سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں منتقل کر دیا گیا اور سعودی عرب کے ممتاز عالم و دانش ور ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح کو اس کا صدر چنا گیا۔ اس وقت سے مختلف ممالک میں اس کی شاخیں قائم ہیں اور وقتاً فوقتاً اس کے سیمینار منعقد ہوتے رہتے ہیں، جبکہ عالم اسلام کے مختلف مسائل پر ڈیڑھ درجن کے لگ بھگ کتابیں بھی رابطہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔ ایک عرصہ سے پاکستان میں بھی اس کی باقاعدہ شاخ کام کر رہی ہے اور اس وقت اس کے صدر پنجاب یونیورسٹی کے استاذ پروفیسر ڈاکٹر سعد صدیقی اور سیکریٹری جنرل ڈاکٹر محمود الحسن عارف ہیں، جبکہ ان کے ساتھ مولانا فضل الرحیم، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر لدھیانوی، ڈاکٹر حامد اشرف ہمدانی، حافظ سمیع اللہ فراز، مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی اور دوسرے بہت سے حضرات شریکِ کار ہیں اور انہی حضرات کی مساعی سے ۱۲ اپریل کا یہ سیمینار شیخ زاید اسلامک سینٹر کے آڈیٹوریم میں انعقاد پذیر ہوا۔ راقم الحروف نے ظہرتا عصر جس نشست میں شرکت کی، اس کے دیگر معزز مہمانوں میں صدر مجلس پروفیسر ڈاکٹر اورنگ زیب، پروفیسر ڈاکٹر مظہر معین، محترمہ ڈاکٹر ثمر فاطمہ، پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر اور پروفیسر حافظ زاہد علی ملک بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۶ اپریل ۲۰۱۲ء)

۱۲ اپریل کو پنجاب یونیورسٹی کے شیخ زاید اسلامک سنٹر میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے زیر اہتمام ''اخلاقی ادب اور قیام امن کا چیلنج'' کے عنوان پر منعقدہ ایک روزہ قومی سیمینار میں شرکت اور اس کی ایک نشست میں بطور مہمان خصوصی کچھ معروضات پیش کرنے کا موقع ملا۔ عالمی رابطہ ادب اسلامی مسلم ارباب فکر و دانش کا عالمی سطح کا فورم ہے جس کا قیام اپریل ۱۹۸۱ء کے دوران ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعوت پر منعقد ہونے والے ایک عالمی سیمینار کے موقع پر عمل میں لایا گیا اور حضرت مولانا ندویؒ اپنی زندگی میں اس کے صدر رہے جبکہ ان کی وفات کے بعد سعودی عرب کے معروف دانشور ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح حفظہ اللہ کو اس کا سربراہ چنا گیا اور

ریاض میں اس کا مرکزی دفتر شیخ موصوف کی سربراہی میں کام کر رہا ہے۔ اس کے مقاصد میں سے چند اہم اہداف درج ذیل ہیں:

- ادب اسلامی کی جڑوں کو پختہ کرنا اور قدیم و جدید ادب اسلامی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنا۔
- جدید ادبی علوم و فنون کے لیے اسلامی مناہج و اسالیب کی تیاری و تشکیل۔
- ادب اسلامی کی عالمگیریت کو نمایاں کرنا۔
- عالمی ادبی مسالک پر تنقید کرنا اور تنقید کے جدید مناہج وضع کرنا۔
- عالمی ادبی مسالک میں موجود خامیوں اور خوبیوں کی نشاندہی کرنا۔
- مومن نسلوں اور ایسی اسلامی شخصیات کی تیاری میں جنہیں اپنی دینی اقدار اور عظیم تہذیبی ورثے پر فخر ہو، ادب اسلامی کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کے مواقع پیدا کرنا وغیر ذلک۔

پاکستان میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے موجودہ صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی ہیں جو شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے پوتے ہیں اور سیکرٹری جنرل پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے صدر نشین ڈاکٹر محمود الحسن عارف (فاضل جامعہ اشرفیہ) ہیں جبکہ سیکرٹری اطلاعات و نشریات کے فرائض جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل مولانا حافظ سمیع اللہ فراز سرانجام دے رہے ہیں۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی کا مختصر تعارفی تذکرہ کرنے کا مقصد احباب کو اس فورم کی سرگرمیوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ضرورت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ ادبی اور صحافتی محاذ پر کام کرنے والے احباب کو باہمی ربط و معاونت کی اہمیت کا احساس کرنا چاہیے کیونکہ آج کا دور صحافت و ادب کا دور ہے اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بطور خاص اس بات کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کے دور میں معاشرتی علوم اور ادب و صحافت ہی انسانی ذہنوں تک رسائی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہیں اور مغربی فکر و فلسفہ انہی ہتھیاروں کے ذریعے عالمی سطح پر اثر و رسوخ بلکہ اجارہ داری قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم بھی ان علوم و فنون میں رسوخ حاصل کریں اور آج کی دنیا میں آج کے فکری و علمی ہتھیاروں کے ساتھ مغربی فکر و فلسفہ کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلامی علوم و

فنون میں پیشرفت اور اسلامی نظام و فلسفہ کی بالاتری اور غلبہ کے لیے کردار ادا کریں۔

ادب صحافت کا ذوق اور اس سے دلچسپی رکھنے والے دوستوں سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں اور اپنی صلاحیتوں اور محنت کو مربوط و منظم دائرہ میں لاتے ہوئے ادب و صحافت کے اس محاذ کو مؤثر بنانے کی کوشش کریں۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔ مئی ۲۰۱۲ء)

# آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز

گزشتہ ہفتے کے دوران برطانیہ کے دو مسلم اداروں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک لیسٹر کی اسلامک فاؤنڈیشن اور دوسرا آکسفورڈ کا اسلامک سنٹر۔ اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کے قریب مارک فیلڈ کے مقام پر پاکستان کے معروف دانشور پروفیسر خورشید احمد کی سربراہی میں مصروف کار ہے اور ڈاکٹر مناظر حسن ڈائریکٹر کی حیثیت سے اس کے انتظامی معاملات چلا رہے ہیں۔ فاؤنڈیشن مختلف اسلامی موضوعات پر یورپی زبانوں میں لٹریچر کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں کے لیے اسلامی عنوانات پر تربیتی کورسز کا اہتمام کرتی ہے اور علمی و تحقیقی کاموں میں پیش پیش ہے۔ اسلام آباد میں پروفیسر خورشید احمد صاحب کے ادارے ''انسٹیٹیوٹ فار اسلامک اسٹڈیز'' کے ساتھ ''اسلامک فاؤنڈیشن کے تعلقات کار قائم ہیں اور دونوں ادارے اپنے مقاصد کے لیے ایک نیٹ ورک کے طور پر کام کرتے نظر آتے ہیں۔

گزشتہ دنوں معلوم ہوا کہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے نائب صدر پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی اسلامک فاؤنڈیشن آئے ہوئے ہیں، رابطہ کرنے پر پتہ چلا کہ وہ ''آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز'' دیکھنے کے لیے آکسفورڈ جانا چاہ رہے ہیں۔ چنانچہ اکٹھے وہاں جانے کا پروگرام بن گیا۔ راقم الحروف ورلڈ اسلامک فورم کے سیکرٹری جنرل اور جامعہ الہدیٰ ٹونگھم کے پرنسپل مولانا ضیاء الحق سیاکھوی کے ہمراہ اسلامک فاؤنڈیشن پہنچا اور ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کو لے کر ہم آکسفورڈ روانہ ہو گئے۔

آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ کے وسط میں سینٹ کراس کالج میں قائم ہے۔ کچھ عرصہ تک یہ سنٹر کرایہ کی بلڈنگ میں کام کرتا رہا، اب وہیں ایک ایکڑ کے لگ بھگ جگہ خرید کر باقاعدہ سنٹر تعمیر کرنے کا پروگرام بن گیا ہے اور مجوزہ تعمیری پروگرام کا نقشہ منظوری کے لیے متعلقہ محکمہ میں اجازت کا منتظر ہے۔ گزشتہ دنوں اخبارات میں آکسفورڈ میں ایک اسلامی مرکز اور نقشہ پر یہاں کے کچھ

حلقوں کے اعتراض کا ذکر ہوا تھا کہ بعض حلقے آکسفورڈ میں اسلامی طرز تعمیر کی اس نمایاں بلڈنگ کا بننا پسند نہیں کرتے، وہ اسی سنٹر کے بارے میں ہے اور محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی خفیہ ہاتھ اس سنٹر کی تعمیر میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اسلامک اسٹڈیز کا آکسفورڈ سنٹر عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سربراہی میں کام کر رہا ہے اور وہ اس کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے سربراہ ہیں۔ جبکہ انتظامی سربراہ ڈاکٹر فرحان احمد نظامی ہیں جو بھارت کے ممتاز محقق اور مصنف پروفیسر خلیق احمد نظامی کے فرزند ہیں اور خود بھی ایک معروف استاد اور دانشور ہیں۔ سنٹر کے سرپرستوں میں سلطان آف برونائی اور برطانیہ کے ولی عہد پرنس چارلس شامل ہیں اور اسلام کے بارے میں پرنس چارلس کے جس خطاب پر کچھ عرصہ سے مغربی حلقوں میں لے دے ہو رہی ہے، وہ انہوں نے اسی سنٹر کے ایک پروگرام میں کیا تھا۔ جبکہ ان کے علاوہ جنوبی افریقہ کے وزیر اعظم نیلسن منڈیلا اور ملائشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد جیسی عالمی شخصیات بھی اس سنٹر کے اجتماعات میں شریک ہو چکی ہیں۔

آکسفورڈ سنٹر میں پہلے بھی کئی بار جانے کا موقع ملا ہے اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور پروفیسر خلیق احمد نظامی سے اس مقام پر زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس دور میں بھی جبکہ یہ سنٹر کرایہ کی ایک عمارت میں تھا اور اب سنٹر کی خرید کردہ نئی بلڈنگ میں بھی جو کہ شہر کے وسط میں جارج اسٹریٹ میں ہے اور جہاں ان دنوں کام ہو رہا ہے۔ آکسفورڈ سنٹر کا بنیادی کام علمی و تحقیقی ہے اور یہ سنٹر آکسفورڈ کے مختلف کالجوں میں تعلیم پانے والے دنیا بھر کے ہزاروں طلبہ کے لیے اسلام کے بارے میں معلومات اور بریفنگ کی سہولت فراہم کرتا ہے، اسلامیات پر کام کرنے والے طلبہ کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، مختلف کورسز کا اہتمام کیا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً اعلیٰ سطح پر اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں جن میں عالمی شخصیات کو اسلام کے بارے میں اظہار خیال کی دعوت دی جاتی ہے۔

آکسفورڈ سنٹر میں ان دنوں ''اٹلس پراجیکٹ'' کے نام سے ایک تحقیقی پروگرام پر کام جاری ہے جس کا مقصد چودہ سو سال کے دوران عالم اسلام کی علمی، دینی اور روحانی شخصیات کے بارے میں بنیادی معلومات کا ایک مستند ذخیرہ جمع کرنا ہے۔ پراجیکٹ کے انچارج مولانا محمد اکرم ندوی نے بتایا کہ

یہ معلومات چھ جلدوں میں مکمل ہوں گی جن میں معروف شخصیات کے علمی و روحانی شجروں کے ساتھ ساتھ ان کی جدوجہد کے اثرات کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔ ان دنوں جنوبی ایشیا کے ممالک پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی شخصیات پر کام ہو رہا ہے اور ایک مستقل جلد ان کے بارے میں ہوگی۔ اسلامی شخصیات کے بارے میں یہ معلومات کتابی شکل میں سامنے لانے کے علاوہ کمپیوٹرائزڈ بھی کی جارہی ہے تاکہ ان سے استفادہ کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جاسکے۔

کچھ عرصہ قبل وسطی ایشیا کی ریاستیں آزاد ہونے کے بعد آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز نے سمرقند کے قریب امام بخاری رحمہ اللہ کے مزار کے ساتھ مسجد و مدرسہ کو ایک جدید علمی مرکز کی حیثیت دینے کا فیصلہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں وہاں ایک بین الاقوامی سیمینار بھی منعقد کیا گیا تھا لیکن سرکاری سطح پر وہاں کسی بڑے دینی و علمی مرکز کے قیام کی حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باعث یہ منصوبہ معرض التواء میں چلا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی، مولانا رضاء الحق سیاکھوی اور راقم الحروف آکسفورڈ سنٹر پہنچے تو ڈاکٹر فرحان احمد نظامی ہمارے منتظر تھے۔ نستعلیق آدمی ہیں، ان کی گفتگو اور مزاج میں لکھنؤ اور آکسفورڈ کا امتزاج جھلکتا ہے۔ کلین شیو اور سوٹڈ بوٹڈ حلیے سے اس خوش پوش نوجوان کو دیکھ کر پہلی نظر میں کسی بین الاقوامی بینک یا فرم کے نمائندے کا گمان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نظامی کے ساتھ مختلف معاملات پر گفتگو ہوئی، وہ علمی و تحقیقی کاموں میں مسلمان حکومتوں کی طرف سے مناسب حوصلہ افزائی اور تعاون نہ ملنے پر شکوہ کررہے تھے اور پاکستان کے دفتری طریق کار اور تعلیمی پالیسیوں کے حوالہ سے کچھ زیادہ ہی شکوہ کناں تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں بار بار حکومتوں کے بدلنے اور ان کے ساتھ ہی پالیسیاں بدل جانے سے بعض ضروری اور انتہائی مفید کام بھی رک جاتے ہیں جن کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں بعض واقعات کا حوالہ بھی دیا۔

ڈاکٹر فرحان احمد نظامی ہمیں سنٹر کی آخری منزل پر لے گئے جہاں سے آکسفورڈ شہر کا منظر واضح دکھائی دیتا ہے۔ آکسفورڈ کالجوں کا شہر ہے اور وہ ہمیں ہاتھ کے اشارے سے ان کالجوں کے بارے میں بتا رہے تھے جہاں مولانا محمد علی جوہرؒ، لیاقت علی خان مرحوم اور ذوالفقار علی بھٹو مرحوم تعلیم حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے متعدّد تاریخی عمارتوں کے بارے میں بتایا مگر آکسفورڈ تو خود ایک تاریخ ہے

اور اس کا ایک ایک چپہ تاریخ ہے جس نے اپنے علم اور فلسفہ کی بدولت ایک عرصہ سے دنیا کے ایک بڑے حصے کے دل و دماغ پر قبضہ جما رکھا ہے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج آج بھی علم و فلسفہ کی دنیا کے دو پایۂ تخت ہیں۔ یہ درست ہے کہ انہیں علم و فلسفہ کی یہ وراثت غرناطہ اور قرطبہ سے حاصل ہوئی تھی بلکہ اس منتقلی کو وراثت کی بجائے "غصب" کہنا شاید زیادہ قرین انصاف ہو لیکن جب تک اصل وارث بیدار نہیں ہوتے اور اپنے "علم و فلسفہ" کا سکہ مارکیٹ میں نہیں لاتے قبضہ گروپ کا تسلط بہر حال قائم رہے گا۔ اس قبضے کو محض گالیوں اور نعروں سے ختم نہیں کیا جا سکتا، اس کے لیے تو علم و حکمت اور فلسفہ و دانش کی "دستاویزات" ہی کام آئیں گی۔ خدا جانے مسلم دنیا یہ راستہ اختیار کرنے کے لیے کب تیار ہوگی؟

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۹۷ء)

برطانیہ کا سفر جتنے دن کا بھی ہو، آکسفورڈ میں ایک رات کی حاضری لازمی ہوتی ہے۔ مغربی دنیا کے اس عظیم تعلیمی و تہذیبی مرکز میں "آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز" کے نام سے ایک علمی و تحقیقی ادارہ سالہا سال سے کام کر رہا ہے، جسے سلطان آف برونائی اور برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس سمیت بہت سی عالمی شخصیات کی سرپرستی حاصل ہے، اس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فرحان احمد نظامی لکھنؤ سے تعلق رکھتے ہیں اور برصغیر کے نامور مؤرخ اور محقق پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کے فرزند ہیں۔ علمی دنیا میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کو ان کی تصانیف بالخصوص "تاریخ مشائخ چشت" اور "شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات" کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خاص دوستوں اور رفقاء میں سے تھے۔ میں نے دونوں بزرگوں کی آکسفورڈ میں ڈاکٹر فرحان احمد نظامی کی رہائش گاہ پر کئی بار زیارت کی ہے اور ان کی مجلس سے استفادہ کیا ہے۔ آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی رہنمائی میں قائم کیا گیا تھا اور جب تک ان کی صحت نے اجازت دی وہ ہر سال اس مرکز کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لیے آکسفورڈ تشریف لایا کرتے تھے۔ اس مرکز کا علمی و فکری تعلق ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہے، اسی وجہ سے اس کی علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کا زیادہ تر موضوع اسلامی تاریخ ہے، جس کی صرف ایک مثال یہ ہے کہ اس مرکز میں ندوۃ العلماء لکھنؤ ہی کے ایک فاضل مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی نے گزشتہ دس سال کے دوران امت مسلمہ کی محدثات پر

کام کیا ہے، یعنی وہ خواتین جنہوں نے حدیث نبویؐ پڑھی اور پڑھائی ہے اور علمِ حدیث کی خدمت کو علمی مشغلے کے طور پر اختیار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ آٹھ ہزار محدثات کے حالات مرتب کر چکے ہیں اور یہ کتاب کم و بیش چالیس جلدوں پر مشتمل ہوگی، جو حدیث نبویؐ کے بارے میں خواتین کے علمی کام پر حوالے کی کتاب ثابت ہوگی۔ آکسفورڈ کی اپنی ایک علمی اور تہذیبی حیثیت ہے، جبکہ اس میں مذکورہ اسلامک سنٹر اور مولانا محمد اکرم ندوی کی علمی خدمات میرے لیے آکسفورڈ میں ہر سفر کے دوران حاضری کو ضروری بنا دیتی ہیں، چنانچہ اس بار بھی حاضری ہوئی اور ایک رات مولانا اکرم ندوی کے ہاں بسر کرنے کی روایت تازہ کی..... اس سفر میں جامعۃ الہدیٰ ٹونگھم کے پرنسپل مولانا ضیاء الحق سیاکھوی، لیسٹر کے نوجوان عالم دین محمد فاروق ملا اور ٹونگھم کے ایک نوجوان محفوظ الرحمٰن جو کچھ عرصے سے شام کے دارالحکومت دمشق میں قیام پذیر ہیں، میرے ہمراہ تھے۔ مولانا محمد اکرم ندوی کی محدثات پر مذکورہ کتاب ہماری گفتگو میں زیادہ تر دلچسپی کا باعث رہی اور انہوں نے کمپیوٹر کے ذریعے ہمیں اس کتاب کی بعض تفصیلات سے آگاہ کیا۔.....

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۱۷ جنوری ۲۰۰۷ء)

.....اس سے قبل آکسفورڈ میں تعمیر ہونے والی ایک بڑی مسجد بھی اسی قسم کے حالات کا شکار چلی آرہی ہے جو ''آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز'' کے سنٹر کے طور پر سلطان آف برونائی کے تعاون سے تعمیر کی جارہی ہے۔ آکسفورڈ اسلامک سنٹر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی میں معروف محقق پروفیسر ڈاکٹر خلیق احمد نظامیؒ کے فرزند ڈاکٹر فرحان احمد نظامی کی کوششوں سے قائم ہوا تھا اور راقم الحروف اس مرکز میں بھی متعدّد بار حاضری دے چکا ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سنٹر اور اس کے ساتھ یہ بڑی مسجد اگر منصوبہ کے مطابق تعمیر ہوگئی تو اس سے آکسفورڈ کا فضائی تناظر اس مسجد کے بلند و بالا میناروں کی وجہ سے اسلامی نظر آنے لگے گا اس لیے بہت سے حضرات اس کی تعمیر کو پسند نہیں کرتے اور اس کے ماسٹر پلان کی منظوری میں رکاوٹیں سامنے آرہی ہیں۔.....

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔ فروری ۲۰۱۰ء)

# جامعہ الہدیٰ برطانیہ

.....جامعۃ الہدیٰ کا قیام گزشتہ سال عمل میں لایا گیا تھا جو "مدنی ٹرسٹ" نے شہر کے وسط میں محکمہ صحت کی ایک بڑی عمارت خرید کر قائم کیا ہے۔ ساڑھے چار ایکڑ رقبہ پر محیط اس تین منزلہ عمارت میں اڑھائی سو کے لگ بھگ کمرے ہیں اور ایک بڑے تعلیمی ادارے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہ عمارت کافی ہے۔ مدنی ٹرسٹ ٹنگھم کے چیئرمین میرپور آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے معروف مذہبی راہنما مولانا ڈاکٹر اختر الزمان غوری ہیں جو کچھ عرصہ سے برمنگھم میں قیام پذیر ہیں اور سیکرٹری مولانا رضاء الحق سیاکھوی ہیں جو میرپور کے سیاکھ کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں، آزاد کشمیر کے بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد ابراہیم سیاکھویؒ کے پوتے ہیں اور ٹنگھم کی مدنی مسجد کے منتظم و خطیب ہیں۔

جامعۃ الہدیٰ کے لیے ان حضرات نے علی گڑھ اور دیوبند سے ہٹ کر "ندوۃ العلماء لکھنؤ" کی راہ اختیار کی ہے، دینی اور دنیوی علوم کو مجتمع کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے ندوۃ العلماء کے سربراہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو جامعہ کا سرپرست بنایا ہے۔ چنانچہ مولانا ندویؒ نے گزشتہ سال خود ٹنگھم تشریف لا کر جامعہ کا افتتاح فرمایا اور جامعہ کی پہلی تعلیمی کلاس کے آغاز پر بھی انہوں نے لکھنؤ سے ٹیلی فون پر جامعۃ الہدیٰ ٹنگھم کی طالبات کو پہلا سبق پڑھا کر تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ جبکہ جامعہ کے تعلیمی نصاب و نظام کی تیاری کے لیے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ مولانا سید سلمان الحسینی تشریف لائے اور نصاب کمیٹی کے ابتدائی اجلاسوں کی صدارت کی۔.....

(روزنامہ پاکستان، اسلام آباد۔ ۱۷ جون ۱۹۹۷ء)

.....جامعہ الہدیٰ کے سرپرست مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں اور جامعہ کا تعلیمی نظام ندوۃ العلماء لکھنو کی طرز پر چلایا جا رہا ہے۔ جبکہ اس کے تعلیمی مشاورتی بورڈ میں مولانا سید سلمان حسنی ندوی (لکھنؤ)، ڈاکٹر محمود احمد غازی (اسلام آباد)، ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی (اسلام آباد)، راقم الحروف ابوعمار زاہد الراشدی (گوجرانوالہ) اور مولانا عیسیٰ منصوری (لندن) شامل ہیں۔.....

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۲۵ جون ۱۹۹۸ء)

# ورلڈ اسلامک فورم

.....ورلڈ اسلامک فورم کے بانی، سرپرست جامع مسجد ویمبلڈن پارک لندن کے خطیب بزرگ عالمِ دین حضرت مولانا مفتی عبدالباقیؒ تھے جو ضعف اور علالت کے باوجود فورم کی عملی سرپرستی فرماتے رہے، ان کا ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کو انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دیں، آمین یاالٰہ العالمین۔ ان کے علاوہ فورم کو جن بزرگوں کی عملی سرپرستی حاصل ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر، گوجرانوالہ، پاکستان۔ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبد اللہ کاپودروی، ترکیسر، گجرات، انڈیا۔ پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی، ڈربن یونیورسٹی، جنوبی افریقہ (ابن حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ)۔ علاوہ ازیں عالمِ اسلام کی ممتاز علمی شخصیت مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمان نے اپنے مکاتیب گرامی میں فورم کی سرگرمیوں پر جس اطمینان اور مسرت کا اظہار فرمایا ہے وہ فورم کے لیے گراں قدر اور حوصلہ بخش سرمایہ ہے۔.....

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ اگست ۱۹۹۵ء)

.....۱۹۹۰ء کی بات ہے جب لندن میں چند اہل فکر علماء کرام نے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی زیر صدارت منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں ورلڈ اسلامک فورم کی بنیاد رکھی تھی اور راقم الحروف کے علاوہ مولانا محمد عیسیٰ منصوری، مولانا مفتی برکت اللہ اور مولانا محمد عمران خان جہانگیریؒ کو اس کے بانی ارکان ہونے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ کئی برسوں تک راقم الحروف اس کا چیئرمین اور مولانا محمد عیسیٰ منصوری سیکرٹری جنرل رہے، جبکہ کچھ عرصہ سے مولانا منصوری اس کے چیئرمین اور مفتی برکت اللہ سیکرٹری جنرل ہیں۔ ورلڈ اسلامک فورم کی سرگرمیوں کا دائرہ برطانیہ، بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان میں پھیلا ہوا ہے۔ اور عالم اسلام کے مختلف مسائل پر لندن، برمنگھم، ڈھاکہ، سلہٹ، دہلی، لکھنؤ، اسلام آباد، لاہور، ملتان، گوجرانوالہ اور دیگر اہم شہروں میں بیسیوں علمی و فکری سیمینار ورلڈ اسلامک

فورم کے زیر اہتمام منعقد ہو چکے ہیں۔ اور ان سے خطاب کرنے والوں میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، جناب محمد صلاح الدین مرحوم، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، ڈاکٹر سید سلمان ندوی، ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم، مولانا سید سلمان الحسینی، ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی اور مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری کے علاوہ آکسفورڈ کے معروف نومسلم دانشور ڈاکٹر یحییٰ برٹ بھی شامل ہیں۔ فورم کا صدر دفتر لندن میں ہے اور اس کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری پورا سال مسلسل متحرک رہتے ہیں۔ ابھی دو ماہ قبل انہوں نے بھارت اور پاکستان کا تفصیلی دورہ کیا ہے اور پاکستان میں لاہور، ملتان، اسلام آباد، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ میں درجن بھر اجتماعات سے خطاب کیا ہے۔

ورلڈ اسلامک فورم کے قیام اور سرگرمیوں کا بنیادی ہدف امت مسلمہ میں فکری بیداری پیدا کرنا اور علمی و فکری حلقوں کے درمیان رابطہ و اشتراک کو فروغ دینا ہے۔ فورم نے کچھ عرصہ قبل دعوہ اکیڈمی اسلام آباد اور مدنی ٹرسٹ ٹونگھم کے تعاون سے ''اسلامک ہوم اسٹڈی کورس'' کا اہتمام کیا تھا جو کئی سال تک جاری رہا اور یورپی ممالک کے ہزاروں افراد نے بذریعہ ڈاک اس سے استفادہ کیا۔.....

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۱ مارچ ۲۰۱۵ء)